



ایک بار پھر ان کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور شاید وہ سرا اٹھا کر اپنے سب سے چھوٹے سپوت پر نظر کرم دال، ہی لیتے اگر باگڑا ایک دم سے ہی آگران کے پیروں پر لوٹانہ شروع کر دتا اور نیجتبا ان کی توجہ کی دُوری ایک بار پھر مہران کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی۔

”اوہ کی گل اے میرے باگڑے میرا شیرا۔“ وہ

اسے ال کی بے نیازی بری طرح کھل رہی تھی جو اس کے گھنٹہ بھر سے آس پاس منڈلانے اور منہن کر کے کچھ کھنے کی کوشش کو انظر انداز کرتے ہوئے مسلسل گیندے کے پھول کے لاذ اٹھانے میں مصروف تھے۔

”ال چلین۔“ اس نے ”پیر“ کو لمبا کھینچتے ہوئے



اپنے پلے پلانے مولے تازے بلے کے لاد اٹھانے لگے

پن کام مظاہرہ کیا۔
”کچھ منہ سے پھوٹو گے بھی یا نہیں؟“ بدستور اس
بے رخ پھیرے پھیرے، ہی خواجہ خلیق الرحمن نے
بنخی سی جھڑکی دی۔

”الی! میں یہ کہنا چاہتے“ بات تو شروع کر لی اس
نے لیکن الی کی بے توجی بھانپ کر پھر حیپ کر گیا۔ ان
کا ایک ہاتھ گود میں ”کاکا“ بن گر لیئے باگڑو کو تھپ رہا
تھا تو دوسرے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کی نوک سے وہ
کیاری میں نجانے کیا کھود کر نکالنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے الی کی اس سلطنت
کا رقمیانہ جائزہ لیا جمال آگروہ خود کو فراموش کر بیٹھتے

”اف ف۔“ مران نے لب بھینچ کر باگڑو کے
منہوس تھوڑے کو غصے سے دیکھا جو اس کے الی کے
زانوہ دھرا تھا، اس کی جنی منی سی آنکھیں بند تھیں۔
لیکن پھر پھر تاتی ہوئی موچھوں تلے مران کو خواخواہ، ہی
ایک طنزیہ مسکراہٹ بھی نظر آگئی اور تو اور اسے یہ بھی
لتئے لگا کہ خبیث باگڑو ضرور پلکوں کی جھڑی سے اس کی
بے بسی کامزہ اوٹ رہا ہے۔

”الی! آپ میری بات بھی سنیں گے یا نہیں؟“ اس
نے فیصلہ کرنے لمحے میں کہتے ہوئے ایک بار پھر دھیٹ

مکمل فاول



بات کلی ہے۔ سب کام جھوڑ چھاڑ میں صاحبزادے کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا ہوں۔ اب فرمائے ہیں پھر بھی پس بہت خوب سے سارا مودعہ غارت کر کے رکھ دیا۔“

”اور میرے مودع کی اس وقت کو نپلیں پھوٹ رہی ہیں ناں جیسے۔“ ایک بار پھر اس نے ضبط سے کام لیا اور دل ہی دل میں الی کی مبالغہ آرائی کی داد دیتا ہوا برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

”چاۓ نہیں پیو گے مہرو؟“ بڑی بھا بھی نے پاس سے گزرتے دیوار کو مخاطب کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلامیا، لب کھولنے سے وہ ہنوز گرینز ہی کر رہا تھا۔ مبارا جلنے دل کی ساری بھاپ زبان کے رستے باہر نہ نکل جائے۔

”وہیشی نکیاں بنائی ہیں اور بینگن کے پکوڑے بھی۔“ بھا بھی نمبر دو نے اٹریکشن پیدا کرنے چاہی، نجات کیسے وہ بھول گئیں کہ بینگن مران کی چڑھیں اور وہ جو سوچی کی سوندھی سوندھی خوشبو والی کر کری خستہ ہیشی کیسیوں کا تصور کرتے ہوئے رک گیا تھا، منہ میں کھلتے ہیں۔ بینگن کی کڑواہٹ محسوس کر کے پھر سے پیر پختا آئے بردھ گیا۔

مہ جبیں، بھا بھی نے اپنی جبیں پہ بھی شکنوں میں چند ایک اور کا اضافہ کرتے ہوئے اسے تبصرہ کتی زگاہوں سے ٹھورا جبکہ سب سے چھوٹی بھا بھی نے پیچھے سے بھی آواز لگائی۔

”کمرے میں چائے بھجوادی ہوں مہرو اور ساتھ میں آلو کے پکوڑے بھی۔ بس ابھی ڈالتی ہوں کڑا ہی میں۔“

”مہ نانسی مبت ناز اٹھاؤ اس کے سر کہہ چڑھتا جا رہا ہے۔“ الی نے دور سے ہی تنیہ کی۔ اس کے دھم دھم کرتے قدم اور زور سے فرش پہ بختے لگے ”قیبلے قیبلے“ برآمدے کا دروازہ کھولتے ہی ”دونالڈ“ پھر تی کے ساتھ اس کی ٹانگوں کے درمیان سے ہوتا ہوا اس سے چلے ہال کرے میں پہنچ گیا۔ مران نے غصے سے الی کے ایک اور لاث لے کی بد تیزی

تھے تو اولاد کیا چیز تھی۔ اس نے مٹھی میں بال بھینچتے ہوئے کینہ تو ز نظروں سے ایک ایک چیزوں کو گھورا۔ املاس کے پلے پلے چھوٹوں سے لدے تین

درخت۔ لکڑی کے چرچاٹے ٹیکتے کے دامن طرف والی دیوار کو مکمل ڈھانے ہوئے منی بلاش کی سر بینیل جسے انہوں نے اپنی خوش بخشی کی علامت سمجھ رکھا تھا۔

لیموں کے قد آریوں کے ساتھ بنا یا گڑو کا قلعہ۔ مویتے اور رات کی رانی کے پوڈے جن کی میک کا پوری کالونی میں اگے ہوئے پھولوں کی خوشبو سے مقابلہ کرنا الی کا محبوب مشغله تھا۔

چھپل طرف والی دیوار کے ساتھ بنی کیا ریوں میں اگے گلاب گیندے اور سورج کمکھی کے پھول۔ ان سے ذرا آگے لان کے عین وسط میں بنے نخترے کھیت میں سے جھانکتے گو بھی کے پھول، پتوں میں چھپی بھنڑیاں اور توڑیاں، شاخوں سے لکھتے بدھیت بینگن۔

اس زیور اُنقة کھیت کے کچھ نزدیک ہی الی کی کرسی دھری بھی جس پہ اس وقت وہ بیٹھے مران کی قوت برداشت کا امتحان لینے میں مصروف تھے۔ اس نے چڑھر سے سر گھمایا۔ برآمدے کی سیڑھیاں اتریں ”بھا بیسز“ پہ نظر بڑی تو بالکل ہی ہمت ہار دی۔

”اب کیا خاک بات ہو سکے گی۔“ اس نے چائے اور اس کے لوازمات سے بھری طشتراں اٹھائے بھایوں کے ٹولے کو رکھا اور تھکے تھکے قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

”کمال چلے برخوردار؟ تم تو کچھ کنسے والے تھے مال؟ کوئی اہم بات؟“ الی نے پچھلے آدھے گھنٹے میں اب کیسی جاکڑ سے سراخا کے دیکھا۔

”بھر بھی سسے“ بڑے ہی ضبط کے ساتھ وہ صرف یہ دو الفاظ ادا کر پایا۔

”کمال سے سسے حد ہے بدنہ بھی کی پچھلے دو گھنٹوں سے مجھے باندھ کر رکھا ہے۔ بات کلی ہے،

نکالیں، میران کے ہاتھ پر پھول گئے۔ وہ جانتا تھا ابی کی نظر کے ساتھ ساتھ کان بھی کس قدر تیز ہیں۔

”بھوؤس۔ بھوؤس۔“

اس چینچ بھرے بھونکنے نے اس کے رہے سے اوسان بھی خطا کروئیے مارے بوکھلاہٹ کے اس کے ہاتھوں سے چھری چھوٹ گئی۔ ”کیسا شور مچار کھا ہے۔ وہ موآکتا اندر تو نہیں گھس آیا؟“ اسی حواس باختہ کی کچن میں داخل ہوئیں۔

”تو اور کیا؟ کچن میں دندنار ہاتھا وہ کتا۔ اگر کسی باغی میں منہ مار دیتا تو؟“ ابی نے بڑا سرچڑھا رکھا ہے ان خبیثوں کو۔ اتنی مشکل سے میں نے اس کتے کے پچ کو نکالا ہے۔“

”اویں ہوں۔ میران سے گالی نہیں بکتے۔“ اسی نے سرزنش کی تواہ جھلا گیا۔

”جب آپ ہی معاٹے کی سنگینی نہیں سمجھ پایا رہیں۔ ابی سے تو کسی قسم کی سنجیدگی کی امید رکھنا فضول ہے۔“

”میری سنجیدگی تو تمہارے ابی کے مزاج سے وابستہ ہے، عصاف بات تو یہ ہے۔“ انہوں نے دامن چھڑایا تو وہ بجھ سا گیا۔

”یعنی آپ بھی میری کوئی مدد نہیں کریں گی۔ امی سے کبھی تو۔ بھی تو یہوی کے بجائے صرف مال بن کر سوچیں۔ کیا آپ کے خیال میں میرا یہ مسئلہ غیر اہم ہے اور کیا ابی کا موقف انتہائی نہ نہیں ہے؟“ اس نے منت کی توسلے میں دال بھگوتے ہوئے شفیقہ خاتون کے ہاتھ ھٹم گئے۔ نظر اٹھا کے خوب رو جوان بیٹھے کو دیکھا جو سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے سب سے لاڈلا بھی تھا۔ دل پتیج گیا۔

”میں مانتی ہوں، ان کا رویہ بست سخت ہے۔ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں ہوتے وہ۔ کم از کم میری تو ایک نہیں نہیں گے۔“

”اور وہ ایک“ آپ کبھی کہے بھی نہیں سکیں گے۔ ”وہ ناراض ناراض ساواپس ملنے لگا۔“

”ایک طریقہ ہے۔“ اسی کی آواز پر وہ غوش گملن ہو

لاحظہ کی۔ گردن گھما کے لان کی طرف دیکھا جماں اس وقت ابی اپنی چیتی بھوؤں کی یونگت میں ٹوٹی پارٹی سے لطف اندوڑ ہو رہے تھے۔ وہ تجربی اشامل میں مسکرا تاہو اس بد شکل بطن کی طرف بھا جو ٹھک نہ کچلتا ہوا کچن کا رخ کر رہا تھا۔

”ملا پچی بدنیتا۔“ میران نے بڑیرا کر اسے دو نئے نام دیے۔ کچن سے نکالنے سے پہلے اس کی پیٹ پوچا کا انتظام جو کر دیتی ہیں، اس لئے ہر وقت وہاں گھنٹے کے لیے تاک لگائے بیٹھا رہتا ہے۔ میران جانتا تھا ابی اس وقت اپنے کمرے میں عصر کی نماز ادا کر رہی ہوں گی اور بھا بیز تواب زرے کے ٹرے ساف کر کے ہی اندر آئیں گی۔

”اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں اس بے سرے ڈونالڈ سے نجات حاصل کرنے کا۔“

آج کل اس کے ذہن میں ہمہ وقت، ایسے ہی باغیانہ اور تجربی منصوبے کا براہ راست تھے۔ جس وقت وہ ابی کے سامنے کھڑا ان کی چھوٹوں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بھی اس کا کامل شدت سے چاہ رہا تھا کہ کینڈے کے ان بڑے بڑے چھوٹوں کی ایک ایک پتیں اور پتیں۔

لبی لمبی مریل سی بھنڈاں اس کا پکڑ مرنکاں دے۔ توریوں کو صڑوڑ کر رہا ہے۔

اور پچھے نہیں تو کم از کم اس زیل باگنڈو کی دم ہی پیروں تلے اس بڑی طرح چیل کر رکھ دے کہ دو دن تک بلبلتا پھرے۔

ہائے۔ لیکن ابی کی نظر اگر نہیں پڑتی تھی تو صرف اس چھپتی نہیں پڑتی تھی ورنہ اپنی اس راجدھانی کی چوکی وہ خوب کیا کرتے۔ ”اس بھدے بے سرے قوال کی چونچ نہیں بند ہو سکتی ورنہ بغیر فزع کیے ہی راحت کی طرف لے جاتا، وہ خود ہی حلال کرتا اور پھر خود ہی روست کرتا۔“ بڑیرا تھے ہوئے اس نے ایک تیز دھار چھری لہرائی اور ڈونالڈ کو گردن سے دبوچ لیا۔

”قیں سے قق قق۔“ اس نے دردناک آوازیں

کر پھر رک گیا۔

”اگر سب لوگ مل کر انہیں سمجھائیں، انہیں منانے کی کوشش کریں تو ہو سکتا ہے بات بن جائے۔“

”سب لوگ کون؟ یہ سب؟ یعنی بھایز بمع نیمیز۔ توبہ کیجئے۔ یہی تو ابی کی مشینیاں ہیں اور یہ بھلا کہاں میرا ساتھ دیں گی۔ میرا کھریسانا تو بڑی بات ہے، اس کا ذکر سنتے ہی چاروں کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ کورس میں بھل بھل رونا شروع ہو جاتی ہیں۔“

”وہ تو بس۔“ امی نے سر جھٹکا۔ ”وہ الگ بات ہے لیکن مجھے یقین ہے میں ان سے پیار سے بات کروں گی تو وہ ضرور سمجھ جائیں گی۔“

”وہ شاید سمجھ تو جائیں لیکن یہ بات بھول جائیے کہ میرے سلسلے میں وہ الی سے بات کرنے کے تیار ہوں گی۔ وہ کب چاہتی ہیں کہ آپ تھے۔ میری بات۔ یہی چاروں ہیں الی کے دامغ میں انے سیدھے خیال بھرنے والی۔ آپ بس اندر میں پیغمبھر نمازوں کے بعد لمبے و طفے رہا۔ لب اور وہ بینکنوں کے پکوڑے بنانا کے انہیں کھلاتی رہیں اور ان کے مزانج اور بگاڑتی رہیں۔“

”بری بات بیٹا! میرے چند ایسے نہیں کرتے اپنے بیوی کے بارے میں اور نہ سوچتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ مان لیا سب مجھ سے بڑے ہیں۔ میں سب سے چھوٹا سی مگر اتنا بھی چھوٹا نہیں اور نہ ہی تمام عمر چھوٹا رہوں گا۔ جو ان تو ہو جکا ہوں، آیک دن بوڑھا بھی ہو جاؤں گا لیکن ہوتا رہوں، آپ کو کیا، الی کو کیا؟“ وہ کچن سے باہر جا چکا تھا لیکن شفیقۃ خاتون اسی طرح بے بسی کے عالم میں کھڑی اس کی باتیں دھرا رہی تھیں، جو حرف بے حرف سچی سہیں لیکن خواجہ خلیق الرحمن۔ وہ جس بات پے اڑ جائیں پھر اس سے ایک انج سرکنا بھی مشکل تھا۔



خواجہ خلیق الرحمن بس ایسے ہی تھے۔ یہ بات

نہیں کہ ان کاول بہت سخت تھا یا اولاد کے لیے وہ بہت کثری کم کے باپ ثابت ہوئے تھے۔ مل تو ان کا بہت گداز تھا اور اس میں پیار بھی بے حد و بے حساب بھرا ہوا تھا۔ جب وہ اپنے ہاتھوں لگائے پھولوں پووں کے لیے اتنے حساس ہو سکتے تھے تو اپنی پیدا کی گئی اولاد کے لیے کیوں نہیں۔ اپنے پا تو جانوروں کے لیے اتنے ذمہ دار ثابت ہو سکتے تھے تو اولاد کے سلسلے میں لاپرواٹی کیسے برٹیں گے لیکن۔ ایک بات ایسی تھی جس کے آگے وہ بے بس تھے۔ بس یہاں آگر ان کاول سخت ہو جاتا تھا۔ برسوں پہلے وہ جو خواب دیکھے چکے تھے، اس کی تعبیر کھلی آنکھوں دیکھنے کی خواہش وقت کے ساتھ ساتھ اور پختہ ہوتی چلی گئی۔ الی کی خواہش پہلے پہل ایسے بھی اوروں کی طرح انوکھی مگر بے ضرری تھی لیکن اب حالات کیا سے کیا ہو جانے کے باوجود بھی ان کا اسی طرح ضد پہ ڈٹے رہنا سے سراسر نا انصافی اور ہست دھرمی لگنے لگا۔

خواجہ خلیق الرحمن کے جب اوپر تلے مانچ بیٹھے ہوئے تو سب کو ان کی خوش بختی کا لیقین ہو گیا لیکن ان کے دل میں جو پہلے بیٹھے کے بعد سے ہی ایک پیاری ہی، من موہنی رہی، منی سی گھریا بیٹی کی تمنا جاگ آئی وہ صریح اسی گئی۔ سن تو یہی رکھا تھا کہ بیٹی، ہی والدین کا سارا ہوتی ہے غم خوار و موسیں ہوتی ہے۔ پرانی ہو کر بھی اپنی رہتی ہے جبکہ بیٹھے اپنے ہو کر بھی پرانے ہی رہ جاتے ہیں۔ اپنادکھے بے جی سے بانٹا چاہا تو وہ نہ پڑیں۔

”بھلیا! تو سدا جھٹا ہی رے گا باتیں بس باتمی ہی ہوتی ہیں۔ کوئی تقدیر کا لکھا حکم تو نہیں۔ تو کیوں نظر کرتا ہے۔ چند سالوں کی بات سے تیرے دیٹرے بھی ایک کے بعد ایک وہشی اترے گی تو سارے دھیوں والے چاؤ کر لے گا انش اللہ۔“ بے جی کی تسلی بھی ان کی ہمت نہ بینھا سکی۔

”لیکن بے جی! کیا پیا آگے قسمت میں کا کیا ہے۔ آنے والیاں کیا تھے لے کے آتی ہیں۔“ سیس بیٹھی نہ پھیں کے لے جائیں۔ بالکل غالباً تھے عی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوئی میران



- * گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
- * منے بال آنٹا ہے جو بالوں کو مضبوط اور چکدار بناتا ہے۔
- * مردوں ہوتوں اور بچوں کی یہ تکمیل فائدہ جوہم میں استعمال کی جاسکتا ہے۔

سموئی میران قیمت 60 روپے

12 جڑی بوشیوں کا مرکب
بے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت سُکھیں ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں کرائی جیسی دستی خریدا جاسکتے بلکہ شیشی کی قیمت صرف 60 روپے ہے دوسرے شہر والے متین آرڈر بھی کرو جسڑا پارسل سے شگوناں میرے منکونے والے متین آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

ایک شیشی کے لیے — 80 روپے
2 شیشیوں کے لیے — 140 روپے
3 شیشیوں کے لیے — 210 روپے
ذو اربعہ میں ڈاک غربہ اور پکنگ پار جو شامیں ہیں سوچ آرڈر بھیجئے کہ یہ بس راست
بیوٹی بکس 5 اور گزیب بارکٹ سینکڑ فلوٹیم اے جام زڈ کرائی دستی خرید دیا جو حضرات سوئی میراں نے پوچھے جاصل کریں 9 بیوٹی بکس 5 اور گزیب مارکٹ سینکڑ فلوٹیم اے جام زڈ کرائیں ایم اے جناح روڈ، گلگت

و مکتبہ عمران ڈا بھجٹ 37 اردو بazaar
کراچی فون نمبر 7733021

رہ جاؤں۔ لڑکے تو پھر انی بیویوں کے کہنے پر چلتے ہیں تال۔"

"تو تو نہیں چلتا انی زنان کے کہنے پر۔" بے جی نے چھپڑا۔ "بے چاری گی جان قبض کیے رکھتا ہے، ساہ (سانس) سکھا کے رکھتا ہے اس کا۔"

"نہیں بے جی۔" وہ شرمende سے سر جھٹکنے لگے "میں نے کیا سانس سکھانا ہے۔ وہ تو سب بس ہے ہی ایسی۔ اور پھر وہ مجھے کچھ کے گی تو میرے کچھ کرنے کی نوبت آئے گی۔"

"اس کا مطلب ہے وہ جتنے الی سید ھی پیش نہیں پڑھاتی تو پھر ہابت یہی ہوا کہ بھوٹیں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ ضروری نہیں ساری کی ساری ڈائینس ہی ہوں۔"

"اوہ بے جی۔ شفیقہ کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے یہاں۔ میں آپ کا اکیلا اکیلا بیٹا۔ ابا جی اس کے گھر آنے سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے نہ دیور جیٹھے کا رو لا (شور) نہ دیور ان جنیھیں کا جلا پا، میں اس کا اپنا ہی راج ہے۔ ایک آپ ہی آپ ہیں جو مصلے پہ بیٹھے بیٹھے دعا کر رہتی رہتی ہیں۔ آپ سے اسے کیا شکایت۔ اس لیے گھر اتنا سکون سے چل رہا ہے لیکن میرے خیر سے پانچ بیٹے سب کی اپنی اپنی بیویاں نہیں۔ الگ الگ گھروں کی، الگ الگ مزاج والی، الگ الگ عادتوں والی، اپنی اپنی فطرت اور خصلت لے کر آئیں گے۔ بھلا کئے دن گزارا کر سکیں گی اکٹھے ایک ہی چھت تلے ایک کو دوسرا کی عادتیں بری لیں گی، دوسری کو تیسری کے رہن سکن پہ اعتراض ہو گا، تیسری کا چوہنگی سے نیا کرنا مشکل ہو گا تو چوہنگی کو پانچوں کا وجود ہٹکے گا۔ ان کی کہینیاں تالی میں سے بے جی میرے پنچ سسے میرے بیٹے بکھر جائیں گے۔ میرا آشیانہ تنکا تنکا ہو جائے گا۔ کیا فائدہ میرے برسوں محنت کر کر کے انہیں پالنے پونے کا۔ مجھے اتنی جان مار کر کیا ملے گا۔"

"اچھا چل پھوڑ ساری فکریں، بڑا آشیانا کہیں کا۔ بڑا پتہ تیر پانچوں چڑھا ہے اور پھوٹا ابھی گودی ہے اور

چپ ہو رہیں لیکن واپسی پر جب خواجہ صاحب کا بھا
بھا چڑھے، پیلی پٹنگ رنگت اور گم صم کیفیت دیکھی تو
چونک گئیں۔

”کیا بتاؤں شفیقہ! مجھے تو خود یقین نہیں آ رہا یہ سب
کیسے ہوا۔ کس نے تاؤ جی کے منتہ بستے گھر انے کو نظر
لگادی۔ لیکن۔۔۔ کسی کے نظر لگانے سے ایسا کیسے ہو
سکتا ہے؟ کیا برسوں میں بنائے گئے گھر اتنے کچے
ہوتے ہیں کہ یوں دیکھتے ہی دیکھتے اجز جامیں، برباد ہو
جائیں۔“

”ہائے بائے، خیر کی بات کریں خواجہ جی، اللہ خیر
رکھے ہر طرف۔“ وہ ہول اٹھیں۔

”اب کیا خیر ہوئی ہے شفیقہ! جا کر دیکھو زر اتاؤ جی کا
گھر۔ کیسی چھل پھل ہوتی تھی سارے میں۔ یہ لبا
دستر خوان بچھتا تھا۔ سارے مل کر کھانا کھاتے تھے
 منتہ بولتے تھے۔ اب۔۔۔ اب تو ایک دوسرے کو دیکھنا
بھی گوارا نہیں۔ وہی گھر ہے وہی چھست، بس فرق یہ ڈا
ہے کہ چند دیواروں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ قیوں بھائی
اگل الگ ہو گئے ہیں۔ اپنا حصہ انہوں نے علیحدہ کر لیا
ہے۔ کاروبار میں بھی اور مکان میں بھی۔ جب سے
انہوں نے چھوٹے دونوں لڑکوں کی شادی کی ہے۔
خاندان میں یہی تذکرہ ہو رہا تھا۔ میں سن کر بھی یقین
نہیں کیا۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سرانج اور چلا
گیا ہے بیوی نیچے لے کر، سرانج اور وہانج دونوں نے
نیچے کے حصے کو دو حصوں میں بانٹ لیا ہے دیوار کھڑی
کر کے۔ اور تو اور جانتی ہو سرانج بھائی صاحب نے اپر
جانے کے لیے سیڑھیاں بھی گھر کے باہر سے رکھوائی
ہیں۔

ان کے چھوٹے میں نقصان کس کا ہوا، تاؤ جی کا اور
ان کے بیٹوں کا۔ خون کے رشتے کو یہ جلا پائے ڈوبا۔
مجھ سے تاؤ جی کا حال دیکھا نہیں جاتا۔“ ان کی آواز
بہرائی تو شفیقہ کے آنسو بھی چھلک رہے۔

”تینوں نے ان کی ذمہ داری بھی بانٹ لی ہے۔ ایک
ایک مہینہ تینوں کے پاس رہیں گے اور تمہیں تو پتا ہے
کہ کئی سالوں سے وہ کمرنگی تکلیف کی وجہ سے

تو ان کی زنانیوں کے چھکڑوں میں الجھا ہوا ہے۔ دماغ
خراب ہو گیا ہے تیرا تو خلیق کا کے۔“ نیستیں ضائع
جاتے دیکھ کے بے جی کی خفی پھر عود کر آئی اور وہ ڈانٹ
ویٹ کے بیٹے کے سرپہ سے یہ فضول بوجھ اتارنے
لگیں۔

”اور اگر اتنی ہی راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں تو
پھر میرا مشورہ مان۔ لڑکوں کے جوان ہوتے ہی ان کی
شادی کسی ایسے گھر کر دیتا جہاں پانچ بھنیں ہوں۔ سب
کی بیویاں سکی بھنیں ہوں گی تو تیرا ذر بھی جاتا رے گا
کہ دیور انی جھٹانی کا جھکڑا گھر توڑے گا۔ ایک گھر کی
پلی بڑھی بچیوں میں توبناہ ہو جائے گا۔“

بے جی کے اس مشورے پر خواجہ خلیق الرحمن
نے استزرا ایسے ہنکارا بھرا اور چیپ رہتے۔ بسما پے
میں تنارہ جانے کا خوف ابھی سے ان کی نیندیں
ازائے ہوئے تھا اور یہ تب کی بات ہے جب ان کا
سب سے بڑا بیٹا خواجہ فرقان خلیق میرا کے امتحان
میں پاس ہوا تھا۔ وہ پورے محلے اور ساری برادری میں
لڑو باختہ نہ تھک رہے تھے۔ لذیوں کا نوکرا لے کر وہ
بڑی خوشی خوشی اپنے تاؤ جی کے بائیں کے تھے۔ گھر بار
اور کاروبار کی الجھنوں میں پڑ کے کئی کئی مسینے وہاں جانا
نہیں ہوا تا تھا وہ اپنے تاؤ جی سے بڑی محبت اور
انیست رکھتے تھے۔ اباجی کے گزر نے کے بعد انشی میں
والد کی شبیہہ دھونڈتے تھے۔ شفیقہ نے یہ بڑا سانوکرا
ویکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”یہ کیا جی؟ سارے گھروں میں توڈبے اور تاؤ جی
کے گھر پورا نوکرا۔“

”تو تاؤ جی کا نبر (کنبہ) بھی تو بڑا ہے نا۔ بڑے
بھائی صاحب تو خیر سے پوتے والے بھی ہو گئے۔ یا تی
سب بھی اپنے اپنے بیوی بچوں والے بھنیں بھی
اپنے اپنے گھروالی۔ تاؤ جی ان کے گھر بھی تو چار چار لڑو
پکڑا میں گے آخر پھوپیاں ہیں وہ میرے فرقان
کی۔“

”ہاں یہ تو ہے ماشا اللہ جی بھی تو زیادہ ہیں تاؤ جی کے
گھر۔ واقعی یہ نوکرا ہی پورا آئے گا۔“ شفیقہ سرہلا کے

کل کل ہی ختم۔ شفیقہ خاتون کے توہا تھے پر بھول گئے، اگرچہ ابھی فرقان سولہویں سال میں تھا اور کافی سالوں تک اس کی شادی کا امکان نہ تھا لیکن وہ جانتی تھیں خواجہ صاحب کی بات پر اڑ جائیں تو پھر انہیں باز رکھنے کی ہر کوشش بے سود ہوتی ہے۔ اس لیے فوراً انہیں ٹھہنڈا کرنے لگ گئیں۔ ان سے زیادہ کوں جانتا تھا کہ یہ دعوےِ محض غصے میں آکر کے گئے چند الفاظ نہیں بلکہ پتھر پر لکیر ثابت ہو سکتے ہیں اگر ان کا فوری سذبائب نہ کیا گیا تو۔

”کسی باتیں کر رہے ہیں خواجہ صاحب! کیوں اینی جگہ ہنسائی کرنا چاہتے ہیں۔ بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت سے کیوں نامید ہوتے ہیں جی؟ ہو سکتا ہے آپ کے یہ تمام خدشے بے بنیاد ثابت ہوں گے۔ ہو سکتا ہے، آنے والیاں اور بھی زیادہ برکت لے کر آئیں آپ کے گھر۔ ہو سکتا ہے ان کے آنے سے ہمارے بچے اور بھی زیادہ مضبوطی سے خڑ جائیں اور ہو سکتا ہے۔“

”بس کو خدا کا واسطہ ہے۔ چپ ہو جاؤ۔ تمہاری اس ”ہو سکتا ہے“ کے پیچے میں یہ گھر واپس نہیں لگا سکتا۔ چلو مان لیا“ ”ہو سکتا ہے“ کہ کوئی ایک آوہ ہو اچھی بھی نکل آئے لیکن بیکم! ایک مچھلی سارے تالاب کو گند اکرتی ہے۔ کوئی ایک بھی تاؤ جی کی چھوٹی بھوکی جیسی نکل آئی تو پرچے اڑ جائیں گے۔“

”لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم اپنے بھوؤں کے گھر سانے کا ارادہ ہی ترک کر دیں۔ اچھا ہی ہے کہ ہم دیکھ بھال کے خود ان کی دلنشیں لے آئیں بجائے اس کے کہ دہ باغی ہو کر خود کوئی قدم اٹھایں۔“

”ملا نگنس نہ توڑ کے رکھ دوں نامزادوں کی۔ ایسی کی تیسی ان کے قدموں کی۔“ وہ تملکا کے بولے۔

”اوہ ہو خواجہ جی! آپ سمجھتے کیوں نہیں کہ وہ حصتے جاتے انسان ہیں۔ کوئی پیڑیوںے نہیں جو قدر آور سایہ دار ہونے کے بعد بھی آپ کے پانی لگنے کے متاج رہیں گے۔“

”چلو تھیں بھی، کچھ نہیں سو جھا تو بے جی کی طرح

سیڑھیاں نہیں چڑھ پاتے نہ ہی اتر سکتے ہیں۔ جب بٹوارہ ہوا تو اصول کے مطابق پسلا حصہ بڑے بھائی کو ملا یعنی دوسرے سامان کے ساتھ ساتھ تاؤ جی کو بھی مزدور اٹھا کر اوپر لے گئے اور تاؤ جی بتا رہے تھے کہ پرسوں پسے، ہی میں دن پورے ہوئے، سراج بھائی صاحب انہیں اٹھا کر نیچے ٹھن میں بٹھا گئے، کپڑوں کا تھیلا پاس رکھا اور کال نیل دبا کے اور چڑھ گئے۔“

”ہے اللہ۔“ رقيق القلب شفیقہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ”اندھیر ہے۔ میری توبہ۔ غصب پڑے گا ان پر خدا کا۔“ ذرا خوف نہیں ان کے دلوں میں۔“ روئے روئے ان کی نظر سفید پڑتے خواجہ صاحب پر گئی تو رونا دھوٹا بھول کر انہیں سنبھالنے لگیں۔

”کیا ہوا جی آپ کو؟ حوصلہ کریں خواجہ جی۔“ یہ پانی پتہ۔ ”چند ٹھونٹ پانی کے بھرنے کے بعد ان میں ذرا ہمت آئی تو نوئے نوئے لبجے میں بولے۔“ ”شفیقہ! ہمارا بھی کی ہو گا۔ کی حال ہو گا۔ دیکھ لینا۔“

”اللہ نہ کریے جی۔ ہمارے بیٹے تو ماشا اللہ۔“ وہ تسلی دینا چاہتی تھیں لیکن خواجہ صاحب نے بات کاٹ دی۔

”ہمارے بیٹے تو ماشا اللہ پانچ ہیں۔ تاؤ جی کے میں بیٹے اکٹھے نہ رہ سکے تو ہمارے پانچوں کیسے رہ لیں گے۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں تاؤ جی کا اتنا بڑا سکان تھا۔ آسانی سے تین حصے ہو گئے میرا مرکان تو بس اتنا ساہی ہے، پانچ حصے تو ہر گز نہ ہو سکیں گے۔ اس کا مطلب ہے میرے بیٹے ایک پہشت تیلے بھی نہ رہ پائیں گے۔ ہم میتوں ان کی شفیقہ دیکھنے سے بھی ترسا کریں گے۔ ہماری بھی باریاں لگا کریں گی، ایک مینہ فرقان کے گھر، ایک مینہ لقمان کی طرف پھروہاں سے عمران کے ہال میں ہے شفیقہ! ہمارے ساتھ بست برا ہونے والا ہے بست برائیسے۔“ وہ روہانے ہو گئے پھر جیسے کسی خیال کے تحت فیصلہ کرنے لجئے میں بولے۔

”نہیں میں اپنا بڑھا پا در در نہیں رولنے دوں گا ان لڑکوں کو۔ میں ان کی شادیاں ہی نہیں کروں گا۔ ساری

کرنے سے پہلے ہی ٹوک دیا۔ وہ برا سامنہ بنانے کرنے

گھر "جانتا ہوں، میاں! جانتا ہوں اچھی طرح، جو تم نے برسوں سے زمانے بھر میں ڈھنڈو را پیٹھ رکھا ہے۔ تمہاری یہ بات ذہن میں تھی جب ہی تو اس گھر انے اور اس کی بچیوں کو دیکھتے ہی مجھے تمہارا خیال آیا۔ ان لوگوں کو اچھی طرح جانچ پر کھ لینے کے بعد ہی میں تم سے بات کرنے آیا ہوں ورنہ ایسے گھر انوں کی کوئی کمی تو نہیں جماں پانچ چھوڑ آٹھ لڑکیاں ہوتی ہیں لیکن شادی بیاہ میں اور بھی سو معاملے ہوتے ہیں، سارا حساب کتاب، حسب نس، شرافت، گن و میخنے پڑتے ہیں۔ میں ہر طرح سے مطمئن ہو کر ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"یہ تو آپ کی محبت اور عنایت ہے چچا جان! آج کل کون کسی کے لیے اتنی بھاگ دوڑ اور تردد کرتا ہے لیکن آپ نے وقت سے بہت پہلے ہی یہ ذکر چھیڑ دیا۔"

"وقت سے پہلے؟" چچا حیرت سے بولے۔ "اے" اے میاں فرقان پیچیں کا ہونے کو آیا ہے، بڑی مناسب عمر ہے بیاہ کی اور پھر وہ نہ صرف تعلیم مکمل کر جائے بلکہ اب تو تمہارے ساتھ کام میں بھی ہاتھ بٹا رہا ہے بیٹے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تو انہیں گھریار کا کرونا چلا ہے ورنہ قدم غلط را ہوں کی طرف بھی لے جاسکتے ہیں۔"

"آپ کی بات درست چچا جان لیکن۔۔۔" وہ متعدد ہوئے "لیکن فرقان اور لقمان ہی شادی کے قابل ہوئے ہیں۔ عمران، جبران کی تو کانج کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی اور مہر ان تو خیرا بھی بہت ہی کم سن ہے۔"

"خدا کمیں عقل دے خلیق۔۔۔ جوان بچوں کے باپ ہو اور ہریات تفصیل سے سمجھانی پڑتی ہے۔" چچا نے بھتیجے کی عقل پر مائم کرتے ہوئے افسوس سے سر ہلا کیا۔

"پانچوں بیٹوں کا رشتہ ایک ہی گھر میں کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم اکٹھے ہی سب کے سروں پر سرا باندھو۔ اے جاؤ تو سسی ایک بار، پھریاں دیکھو گھریار

پیروں اور درختوں کی مثالیں دینے لگیں۔" "انہیں چند سال پہلے مرحومہ بے جی کے ساتھ اسی مسئلے پر کی تھی بحث یاد آئی اور ساتھ ہی اچائیک وہ مشورہ جسے انہوں نے سرسری سامن کر سر جھٹک دیا تھا۔ ان کے ذہن میں جھما کا ہوا۔

"چلو ٹھک ہے۔ زندگی میں پسلی اور آخری بار میں اپنے کیے گئے کسی فیصلے سے دستبرداری اختیار کر رہا ہوں۔ تمہاری بات مان لیتے ہیں۔"

"چج؟ واقعی خواجہ جی؟" تشفیقہ کو اتنی جلد ان کے مان جانے کی امنیدنہ تھی۔ "ہاں۔ لیکن میری ایک شرط ہے اور میں پسلے ہی واضح کر دوں اب مجھ سے بحث کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی شادیاں ہوں گی مگر ایک ہی گھر میں۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"ہیں جی؟" وہ اس نئے فتوے پر حیران پریشان تھیں۔

"ہاں! ان پانچوں کی بیویاں سگی بہنیں ہوں گی۔ ورنہ میری طرف سے بھلے ساری عمر کنوارے پھریں۔" انہوں نے نہ صرف فیصلہ صادر کر دیا بلکہ ہر ملنے حلنے والے کے ذریعے زمانے بھر میں نشر بھی کر دیا۔ لوگوں کے لیے یہ بات نئی بھی نہیں اور دلچسپ بھی۔ ہر چند کہ ابھی کوئی بیٹا شادی کے لائق نہ ہوا تھا لیکن قریبی رشتے دار یعنی لڑکوں کی خالا میں، ممانیاں، بچیاں وغیرہ ارد گرد نظر رکھنے لگیں کہ کہیں کوئی یا چبھنوں والا مناسب گھرانہ ملے تو شفیقہ خاتون سے ذکر کیا جائے۔ یہ تلاش جاری رہی تاوقتیکہ خواجہ صاحب کے بڑے صاحبزادے فرقان بی۔ اے کرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ شریک کاروبار ہو گئے۔ ایسے میں ایک دن خواجہ خلیق کے چھوٹے پچان ان سے ملنے آئے اور چند اوہر اور ہر کی باتوں کے بعد فرقان کے رشتے کی بات چھیڑ دی۔

"ایک منٹ۔۔۔ ایک منٹ پچا! آپ شاید بھول رہے ہیں، میں نے اپنے بیٹوں کی شادی کے سلسلے میں کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔" انہوں نے چھار فیق کو مزید پکھ

سعادت مندی نوٹ نہیں کی؟ کیا تعلیم کے لحاظ سے بھی بڑی دونوں فرقان اور لقمان کے لیے مناسب نہیں ہیں؟ ماقی تینوں بھی ابھی چھوٹی سی لیکن کتنی پارہ اور سلسلہ ہوئی بچیاں ہیں؟ بولو؟“ وہ تائید میں سرہلا کے رہ گئی۔

”تو بس بیکم، بسم اللہ کر کے ہاں کہہ دیتے ہیں۔“ وہ رشتہ کرنے پر تلنے بیٹھے تھے اور وہی ہوا جو وہ چاہتے تھے۔ فرقان اور لقمان کی شادیاں چند ماہ کے اندر اندر مہ لقا اور مہ پارہ سے ہو گئیں۔ علیہ کی تقریب میں عمران اور جبران کی مہ ناز اور مہ جبیں سے نسبت کا باقاعدہ اعلان بھی کروایا گیا۔

خواجہ صاحب تو عمران اور ماہ نور کی منگنی کا اعلان بھی کرنا چاہتے تھے لیکن شیخ صاحب نے اپنی بیٹی اور خود عمران کی کم عمری کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ اہتمام مناسبت نہ جانا اور فی الوقت اس سلسلے کو مٹا دیا۔

◆ ◆ ◆

تقریباً پانچ سال بعد ان دونوں کی باری آئی تو عمران ایکم لے ائے گر رہا تھا اور ماہ نور نے ابھی ایف ایس کی کا ایکراں دیا تھے۔ وہی روایت بھائی لئی پھر سے دیتے کی تقریب میں شفیقہ خاتون نے گلابی پشاور میں بیرونی بنی ناز کی نور کو اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے نام کی انگلوشی پر نامی۔ عمران کو بھی والدین کا یہ انتخاب پسند آیا۔

نور میں اپنی تمام بہنوں کی مشابہت تھی۔ بڑی باجی جیسا سرو قدم بجا جیسے لئے گھنے بال۔ اپا جیسا گورا رنگ اور آپی جیسی فیٹھی طبیعت۔ ان تمام خصوصیات نے اسے سب میں ممتاز بنایا تھا۔ خاندان میں بھی یہی چرچا تھا کہ پانچوں بھائیوں میں عمران کا جوڑ ہی نہیں بیٹا ہے۔ یہ چہ میگویاں سن کر بے چارے فرقان کے دل پر بڑی بڑی گزرتی۔ وہ مہ لقا کو دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتا جو الی جان کی خواہش پوری کرنے کے چکر میں اس کے سر تھوپی کئی تھیں، یوں تو وہ فرقان سے سال ڈریڈھ ہی بڑی تھی لیکن شادی کے موقع پر بھی کم از کم پانچ سال بڑی معلوم ہو رہی تھی اور

دیکھو۔ پسند آئے تو دو بیٹوں کی شادی تھہرانے کے ساتھ ساتھ باقی بچیاں بھی مانگ لو۔ اگر مران کے جوان ہونے کا انتظار کیا تو فرقان کو بیبا بنا دے گے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ کمال ہے چھا! اتنی سی بات میں سمجھے نہیں پایا۔“ وہ ایک دم سے ملکے ہملکے ہو کر بچا رفق کے ساتھ وہاں جانے کا پروگرام بنانے لگے۔ خواجہ خلیق اور آتا ”فانا“ تمام معاملات نہ کرے۔ خواجہ خلیق اور شفیقہ خاتون دونوں کو شیخ نواز حسین کا گھر انہے بے حد پسند آیا۔ شریف النفس، حلیم الطبع، در میانی حیثیت کے نمازی پر ہیز گار انسان تھے۔ محدودی آہمی میں چھوڑ چھ بچیاں پال رہے تھے۔ جی ہاں چھ۔ چھٹی صاحبزادی چونکہ نہایت کم عمر تھیں اس لیے پیچا جان نے ان کا ذکر کرنا ضروری نہ جانا تھا، بہر حال جہاں خواجہ صاحب اور ان کی بیکم کو حسب پسند اور حسب مشاگھرانہ مل جانے کی سلی ہوئی وہاں دونوں نے خدا کے نصیر شکرانہ بھی ادا کیا کہ وہ انسیں ایکہ بھجوڑ اور شرافت کا بوجھ پاشنے کی نیکی حاصل کرنے کی سعادت پیش رہی۔ شفیقہ خاتون کو بس ایک بات کھلکھل رہی تھی اور وہ تھی سب سے بڑی بیٹی مہ لقا کی عمر اور شکل و صورت۔ وہ تمام بہنوں سے ہیز را کم رو تھی۔ عمر بھی فرقان کے مقابلے میں زیادہ تھی اور یہ بات اس کے پالوں میں چکتے تاروں اور آنکھوں کے پیچے پڑی تھیں جھریلوں سے صاف واضح ہوتی تھی۔ رنگ بھی دستا ہوا تھا، نہیں نقش اپنے تھے مگر بڑھتی عمر کے اثرات نے ان کی دلکشی کم کر دی تھی۔ اس بات کا ذکر شوہر سے کیا تو لمجھ بھر سوئے کے بعد انہوں نے نفی میں سرہلا دیا۔

”کہتی تم ٹھیک ہو لیکن اس ایک بات کے پیچھے میں باقی سب نظر انداز نہیں کر سکتا۔ چلو، میں خود کچھ تھیں کرتا۔ تم فیصلہ کرو، بتاؤ مجھے کیا تمہیں شیخ صاحب کی شرافت کے بارے میں کوئی شبہ ہے؟ کیا تمہارے خیال میں آج کے دور میں چھ بیٹیوں کا بوجھ، انہیں عزت سے پانے کی ذمہ داری ایک متوسط طبقے کے شخص کی کر تھیں جھکاریتی، اس کی راتوں کی نیند نہیں اڑا دیتی؟ کیا تم نے ان سب بچیوں کا سلیقہ، سکھرا پا،

ساس سراس کا سرا اپنی بڑی بسو کے سریاند ہتھے تھے لیکن فرقان کو اس میں بیوی کی حیثیت سے کوئی خوبی نہ نظر آتی۔ اس کے حکمے بچے سے وہ چرتا تھا، اس کی ہمہ وقت چڑھی بھنوئیں اسے زہر لگتی تھیں اور اس کا چبوئیں لھنے اور گھر اور گھرداری کی فکر میں بلکان رہنا اسے سخت برالگتا۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان موجود اس سرد مری اور گریز کو سب محسوس کرتے تھے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

لتمان اور مہ پارہ بھی ہم عمر ہی تھے لیکن اپنی بڑی بسن کی طرح مہ پارہ بھی عمر سے چند سال بڑی ہی نظر آتی تھی، غصہ اس کی بھی ناک پیہ ہی دھراتا تھا لیکن مہ لقا کی طرح اس میں گھرداری کا رحمان کم تھا، اس کی دلچسپی دیگر امور کی طرف زیادہ تھی۔ اس نے لی۔ ایڈ کر رکھا تھا لیکن پہنچ کرنے کے بجائے گھر میں ایک ٹیوشن سینٹر کھول رکھا تھا کہ بقول اس کے سرکاری نوکری میں سر کھپائی زیادہ ہے اور معاوضہ کم جگہ ٹیوشن سینٹر کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیسے بٹورے جاسکتے ہیں۔ اس سے اس کی فطرت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں پیسے کو اولیست دینے والی تھی لیکن پیسے حاصل کرنے کے لیے عقل، ہنر اور محنت کے ساتھ ساتھ لگن کا ہونا بھی ضروری ہے یہ بات اسے کوئی سمجھا نہیں سکتا تھا، حتیٰ کہ بڑی باجی بھی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ شام کو محلے کے چند ایک بچوں کے علاوہ کوئی اس سے ڈھننے نہ آتا تھا۔ اسی کے اپنے پانچ بچوں نے ہی اس کی مت مار رکھی تھی۔ اپنے اسٹوڈیس پر توجہ دینے کا وقت کماں سے ملتا حالانکہ گھر میں اتنے لوگ ہونے کی وجہ سے اس پر کام کارباؤ کم تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے، بڑی باجی نے ہر بار جڑواں بچوں کی وجہ سے رعایت دیتے ہوئے کم سے کم ذمہ داری اس پر لگا رکھی تھی لیکن اس کے بعد بھی وہ اکثر ساری رات بچوں کی وجہ سے جا گئے کاہانہ کر کے دن بھر کمرہ بند کر کے سوئی رہتی اور نیچے وہ سنبھالتیں جوان کی پچیاں بھی تھیں اور خالا میں بھی۔

مہ پارہ کی شادی کے چوتھے سال جب آمنہ اور

اب شادی کے چند مال گزرنے اور تمدن بچوں کے ہو جانے کے بعد وہ کمیں زیادہ بڑی اور عمر سیدہ معلوم ہوتی تھی۔

ایک تو اس کا قد شوہر کے مقابلے میں چند انج اونچا تھا۔ اوپر سے چوڑے چوڑے مردانہ شانے اور کھدرے بے دھنگ باتھ پیر نقش مناسب ہی تھے۔ کچھ تو جو خود پہ دیتی تو پہن اور زندہ کے اچھی، ہی لگتی لیکن اسے اتنی فکر ہی کہاں تھی۔ میکے میں بھی بڑی بسن ہوئے کے زعم میں خود پہ غیر ضروری رعس بدبہ طاری کر رکھا تھا اور سرال آنے کے بعد سب سے بڑی بسو کا رتبہ ما تو گردن میں مزید لکف آئیا الجہ اور کڑک دار اور تیور مزید حاصلہ ہو گئے۔ کوئی اور دیوار ایسا بھی تو نہیں اور پہنچ دن بھی بڑی جیہیانی کی حکمرانی برداشت کر تھی نہ رُک نُوك سہنسیں لیکن وہ تینوں بچپن سے عادی تھیں، بڑی باجی کی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس لیے معمول کا حصہ کچھ کے ٹال جاتی۔ البتہ خواجہ صاحب اپنی بڑی بسو کے لظیم و لسق سے بڑے مطمئن تھے اور اس کا اظہار بھی بر ملا کرتے کہ گھر کو سنبھالے رکھنے اور اس عمدہ طریقے سے چلائے رکھنے میں مہ لقا کا سب سے زیادہ باتھ ہے۔

ایک لحاظ سے یہ بچ تھا۔ گھر کا ججت وہی بناتی تھیں۔ سب بھائیوں کی آمدنی کے لحاظ سے حصہ لیا جاتا۔ کوئی کم دیتا تھا اور کوئی زیادہ لیکن سہولیات سب کے لیے یکساں تھیں۔ لتمان کے دونوں پار دو دو جڑواں پیچے ہوئے اور اب حال ہی میں ایک بیٹی۔ اس طرح اس کے آخر احتجات زیادہ تھے۔ بڑے دونوں تو اسکوں جانے لگے تھے لیکن آمنی اس کی فرقان اور عمران دونوں سے کم تھی۔ تمدن وقت کے کھانے کے علاوہ چھل، دودھ وغیرہ میں مہ لقا اس کا حصہ زیادہ رکھتیں۔ اسی طرح تمام بھیوں کو ایک خاص حد تک ذاتی شانگ کی اجازت تھی، جاہے ان کے پاس ہزاروں روپے بھی کیوں نہ موجود ہوں۔ ان کوئے اصولوں نے گھر میں بھی کسی قسم کی چیقش پیدا ہونے دی تاہمی حسد و رقابت کی فضایہ اہو سکی۔

عادتوں میں بھی۔ اگر گھر کا ماحول پر سکون بنانے رکھنے میں بڑی بسو کازیاہ ہاتھ تھا تو چھوٹی بسو نے بھی آگر گھر کے ماحول کو مثالی بنانے میں خاصاً اہم کردار ادا کیا تھا ایک کے مزاج کی حقیقت سب کو درست رکھتی تو دوسری کے مزاج کی نرمی سب کو شانت رکھتی۔

اب سب کی توجہ کا مرکز یا نور بھی۔ عمران کو بھی اپنی منگنیر سے دیکھی ہو چلی تھی جو کہ ایک فطری سی بات تھی حالانکہ وہ کب سے جانتا تھا کہ بڑے بھائیوں کی طرح اس کا نصیب بھی شیخ صاحب کے گھرانے سے واپسی ہے اور ماہ نور بھی بہنوں سے ملنے آتی جاتی رہتی تھی۔ اس وقت عمران کے مل میں ایسا کوئی شریر ساجذبہ بھی نہیں جاگا تھا ذنوں کے درمیان سرسری سی ہائے یلو ہوئی، البتہ سب سے چھوٹی ماہ گل سے اس کی خوبی بے تکلفی تھی۔ وہ تھی بھی تو اتنی پیاری اور پُلاوی۔ وہ اکثر اسے انگل کی بیٹھائیے کی اولاد کہہ کر چھینٹتا اور بڑی بھا بھی سے جواباً "ڈانٹ بھی سترا جن کی بڑی بیٹی ندا اپنی سب سے چھوٹی خالہ سے بس دھامی تین سال ہی چھوٹی تھی۔ خالہ صاحبہ کا اپنے بھائیجے بھائیوں کے ساتھ خوب جھکڑا ہوتا، بات ہاتھا یا نی تک آجائی۔ عمران بڑی مشکل سے اسے چھڑاتا، ندا اور نوید آئندہ آمنہ کو لے کر خالہ کو منہ چڑاتے اسے کرے میں لھس جاتے اسے اپنے ساتھ نہ کھلانے کا اعلان کرتے ہوئے اور عمران اس کے پھولے پھولے گالوں پر بستے آنسونہ دیکھ سکتا۔ جھٹ اسے موڑ سائیکل یہ بھا کے آس کریم کھلانے لے جاتا۔ واپسی پر چڑانے کی باری ماہ گل کی ہوئی۔

"ریکھا، تمہارے چاچو تمہیں نہیں لے کر گئے، وہ تو میرے فرنڈ ہیں۔"

اور اب منکنی کے بعد اچانک، ہی عمران کی دلچسپی اس گھر سے اور بڑھ گئی۔ اس نے ماہ گل سے اپنی دوستی کو استعمال کیا اور آئے دن چاکلیٹ، گھانیوں کی کتابیں لے کر دیا جانے لگا۔ ماہ نور اگرچہ اس کے سامنے کم ہی آتی لیکن پل دوپل کاسا منا بھی دنوں کو خوشگوار سا احساس دے جاتا اور منکنی کے تیرے میں ہی جسب ماء

آئندہ کے بعد رضی اور رضی ہوئے تو دنوں چھوٹی بہنیں بیاہ کے آگئیں۔ نئی نویلی دلنتیں سارا دن ریس ریس کرتے نیکے ہی اٹھائے پھر تھیں۔ بڑی دنوں اپنی تانی سے مانوس تھیں۔ وہ ان کے کرے میں، ہی تھی رہتیں، یوں بھی ندا اور نادران کے ہم عمر تھے اور کلاس فیلو بھی، چاروں بچوں کی آپس میں خوب تھی۔

عمران اور جبران کی شادی ہوئی تو دنوں کی عمر تھی پہنچتی سنا میں اور جو میں سالی تھیں۔ عمران ڈاکٹر تھا اور شادی میں یہ تاخیر اس کی تعلیم کی طوالت، ہی کی وجہ سے ہوئی درنہ خواجہ صاحب تو دنوں بڑے بیٹوں کی شادی کے دو سرت سالی ہی دو اور بھوٹیں لانے کے لیے لٹکنے لگے تھے۔ جبکہ خود بھی ایسے ایسے کرچکی تھیں اور ایک میٹ پیٹل پینی میں میدی یکل روپ کی جانب کر رہی تھی۔ عمران کی خواہش پر اس نے اپنی جانب حاری رکھی اور یہ دنوں میاں یوئی کے لیے اچھا ہی تھا کیونکہ شادی کو تین سال گزر جانے کے بعد بھی ان کی کوئی اولاد نہ کی تھی اور خمینت جانب کے علاوہ شام کو اپنے گھنک پر بھکر رکھیں کرتا تھا۔ بتھتا گھر پر کھلیں وقت زارت۔ ایسے میں اگر مدد جیسی کیا جائے جو اپنے ہوتے ہوئے میاں کا انتظار بھیں کھلتا اور بچوں کا نہ ہوتا ہی رنجیدہ لہرتا لیکن یہ مصروفیات اسے اتنا تھوکا دیتیں کہ ہر آنے کے بعد اپنے ضروری کام نہ نہیں اور آرام کرنے کے علاوہ کوئی دوسری بات اس کے ذہن میں نہ ہوتی۔

مہ جبیں عمران سے دو سال چھوٹی تھیں لیکن جبران اور مہ ناز دنوں ہم عمر تھے۔ لقمان اور مہ بارہ کی طرح ان میں عمر کا کیساں ہوتا ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ ایک تو جبران ماشا اللہ لما چوڑا بست تھا، دوسرے اس کے پیال نوجوانی میں ہی گرنے لگے تھے دنوں طرف سے نظر آئے والے چوڑے ماتھے نے اسے ذرا بڑی عمر کا ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور پر سے مہ ناز چھوٹی مولیٰ سی بونا ساقد رکھنے والی لڑکی تھی۔ رنگ اس کا سانو لا اور نقش بھی عالم تھے لیکن چھرے یہ غصب کی معصومیت اور نرمی تھی، یہی نرمی اس کے لمحے میں بھی تھی اور

مران کے چھکے چھڑا رکھتے تھے
”یار! تو سمجھتا کیوں نہیں۔ مجھے زکام ہے۔ اندر اسے۔ سی میں میں نہیں بیٹھ سکتا۔“ اس نے بھانا بنایا۔

”گرمی کے زکام میں اسے سی کچھ نہیں کھتاب لکھیا یہ لو اور طبیعت خراب کرے گی۔“ راحت نے ماٹھے سے بستے پینے کو روپال سے خشک کرنا چاہا لیکن وہ پہلے ہی اس قدر تجوہ رہا تھا کہ چروہ اور چھپا ہو گیا۔

”میرا زکام ہے، مجھے زیادہ بتا ہے، کس چیز سے خراب ہوتا ہے اور کس چیز سے صحیح۔“ اس نے بڑے مدبرانہ انداز میں کھاتوہ مٹکوک سا ہو کے اسے بغور دیکھنے لگا۔

”میں سے آہار نظر تو نہیں آرہے نزلہ زکام کے۔“ وہ جھٹ براہماں کیا۔

”میں نے کھانال۔ میرا زکام ہے مجھے ہی بتا ہے۔ ویسے بھی میں اپنی تکلیفوں کا استھان نہیں لکھا تا۔ جیسے غم اور دکھل کے اندر ہی اندر لی جاتا ہوں ویسے بیکاریاں بھی چھپا کر رکھتا ہوں۔“ مران نے چھرے پر ”ویو! اس“ کے سے تاشات سجا تے ہوئے کھاتو راحت جل کر رہا گیا۔

”ہاں پالنے پڑتا ہے۔ مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہو گا یہ؟“ اُنلی حقیقت“ کہ تم ہر دکھ اور غم دل کے اندر چھپا کے رکھتے ہو۔“ ہونہے بچپن سے جانتا ہوں تھے میں، ہم اپنے بھی چھپے تو پنج پنج کر سارا زمانہ سریہ اٹھا لیتے ہو، ذرا ذرا اسی بات پر تمہارے دکھرے ڈھائی ڈھائی گھنٹے تک بیس، ہی ستارہ ہوں۔“

”ابے مولی کھال، کیوں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی گروں توڑ بخار میں بنتا کرتا ہے۔ اٹھ اندر چل،“ اے سی آن نہیں کرتے۔ صرف پنکھا چلاوں گا۔“

”وہ تو یہاں بھی چل رہا ہے۔“ اس نے برآمدے کی جھٹت پر لگے باوا آدم کے زمانے کے سنکھے کی طرف اشارہ کیا جو بغير سائلنسر کے موڑ سائیکل کی آوازیں نکالتا ہوا دمے کے پرانے مریض کی طرح ٹھکی سی پھونکیں مار رہا تھا۔

نور کے ٹانیفایڈ میں بنتا ہونے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً ”امی جان کے ساتھ اپنی ہونے والی سرال جا پہنچا۔ ہزار کوششوں کے بعد تجوہی وہ اس کی ایک جملک تک نہ دیکھ سکا۔

وہاں سے لوٹنے کے تیرے روز عمران بھائی نے اطلاع دی کہ وہ ماہ نور کو اپنے ہاسپٹل اپیٹ مٹ کر آئے ہیں۔ شیخ صاحب اور ان کی الیہ نے بی بی کے آئے روز کے بخار کو اہم نہ جانتے ہوئے خود ہی عالم معاںجہ کی طرف خاص توجہ نہ دی تھی، پیر اشام دل دیکھو دیتے رہے اور ان کی ساری مالا پروالی نے یہ دن دکھلایا کہ نہ صرف ٹانیفایڈ بھر لیا بلکہ یہ قان نے بھی جذر ایسا۔

عمران بھائی اپنی غسلت کو کوس رہے تھے اور ساتھ ساتھ مہ جبیں پہ بھی بگزرے تھے کہ انہوں نے بھی اتنی کچھ بوجھہ اور قابلیت رکھتے کے باوجود وہ مرن کو اسکی اپیٹلائٹ ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت کیوں نہ کچھی۔ کم از کم انہیں ہی بتا دیتے تھے نیت؛ آئی۔ ان کا تردد اور فکر سب کو پریشان کر گئی کہ ہونے والی ضرور کوئی خطرناک بات سے اور اسکے دل جب خواجہ صاحب کے ساتھ ساتھ باقی تمام الہ خان بھی ماہ نور کی عیادت کے لیے ہاسپٹل گئے تو اپس سب کے چہروں پر ایک ہی تاثر تھا۔ بھاہمیاں تو پیسے پیسے رو بھی رہیں۔

مران سے ربانہ گیا۔ وہ نیچے ہی مہ ناز بھاہمی کے ساتھ ہاسپٹل گیا، ماہ نور کو آئی۔ سی۔ یو میں شفت کر دیا گیا تھا۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک پبلی پڑ پکی تھی۔ عمران بھائی کے مطابق اس کا جسم دو اقوال نہیں کیا پار رہا اور بغیر دوا کے وہ یہ قان کے زردوایو سے کتنی دری تک لا سکتی بھی اور وہی ہوا جس کا خدشہ سب کے دلوں میں کنٹلی مارے بیٹھا تھا لیکن کوئی بھی بد شکونی کے ذریعے ایک دوسرے سے اس کا اظہار کرنے کی ہمت نہ کیا پار رہا۔ اسی شام ماہ نور کی وفات کی خبر آئی۔

* * *

چھلے آدھ گھنٹے سے وہ گرم ترین برآمدے میں بیٹھا راحت کی رہائیاں سن رہا تھا۔ گرمی اور لوٹنے پسندے چھڑا رکھتے تھے تو اس کے مسلسل اندر چلنے کے اصرار نے

جانب پر ہائے
”تم سے کچھ بعید نہیں میرے بھائی تم کچھ بھی کہہ
سکتے ہو۔ تمہیں اگر یہ سڑا ہوا موسم عاشقانہ لگ سکتا
ہے تو یہ منحوس چیز چیز بھی مدھر لگ سکتی ہے۔
گیٹ کھولتے ہی اس کی زبان کو بریک لگ گئی۔ جیسے
ساری بات سمجھ میں آگئی اس نے پچھے مرکرا سے بنور
دیکھا۔

کریدتے انداز پر مران قدرے سپٹایا۔ راحت
نے مسکراتے ہوئے اسے بعد میں نہنے کا اشارہ دیا اور
باہر متوجہ ہوا۔ جہاں گرمی سے گھبرائی ہوئی معطر کھڑی
اسے حیران نظریوں سے تک رہی تھی جو اس کے سلام
کا جواب دینے کے بجائے نجانے کوں سے مذکور
نمٹا رہا تھا۔

”آؤ مشھو! آؤ سے“ اس نے اندر آنے کا راستہ
دیتے ہوئے معطر کو اس کے پار کے نام سے پکارا تو بے
ساختہ اس کی گھبرائی گھبرائی نظریں برآمدے کی چیز پر
بیٹھے مران کی طرف اٹھ کیے جو اس کے اس نام کو
بھر بورا بھوکے کیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی اس کے لبوں
کی مسکراہٹ ”مشھو، مشھو“ پکار رہی تھی۔

”وہ راحت بھیا! آج میرا پیپر تھا سینڈ ٹائم کا“ می
نے کہا تھا کہ اگر جلدی فارغ ہو جاؤ تو ماں کی طرف
چلی جانا، وہ پر کو اتنی دور تک ویگن میں سفرت
کرنا۔ اس لیے میں سے“

”بھئی، جب مرضی آؤ، تمہارے ماں کا گھر ہے
بلکہ چلو اچھا ہے کوئی تو بہانا بنا تمہارے یہاں آنے
کا۔“ وہ معطر کا زوس ہونا بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔ ”ویے
بھی میں نے تم سے کب پوچھا۔ میں تو کسی سے
بھی نہیں پوچھتا۔“ آخری جملہ اس نے مران کے
قریب آکر تھستہ سے کہا تھا۔ خطرے کی گھنٹی سرہ
بجھتے دیکھ کر وہی الفور اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم اندر دادو کے کمرے میں چلی جاؤ مشھو! ای تو گھر
پہ نہیں، اگر بھوک لگے تو کھانا و انا خود نکال کر کھالو۔ مینا
تو دوپہر کو اصطبل بچ کر سوتی ہے۔ اس کے آسرے پر
مت رہنا۔“ راحت کی ناکید پر وہ مسکرائی تو جیسے مران

”مارے یہ تو جنم کی آگ پھینک رہا ہے اندر
چل، میرے پار، کمرا ٹھنڈا بھی ہے، پر سکون بھی، آرام
سے بیٹھ کر کوئی مودی دیکھیں گے۔“

”یار! اس ھلی فضا میں۔“ وہ شاید موسم کی شان
میں کچھ اور قصیدہ پڑھتا تھا لیکن راحت کا میثرو لفظ
”فضا“ پر ہی ڈاؤن ہو گیا۔

”مرو تم اس ”پر فضا مقام“ کے مزے لوٹتے
ہوئے میں باز آیا ایسی مہمان نوازی سے۔ میں تو اندر
جا رہا ہوں۔ تمہاری مرضی اپنے گھر جاؤ یا پھر یہ میں
میرے گھر کے برآمدے میں بیٹھے بیٹھے گیٹ گاتے
رہو۔“

”موسم ہے عاشقانہ، موسم ہے عاشقانہ۔“
مران نے اس کی بات میں گرد لگتے ہوئے تان
بلند کی وہ دافتی اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
”اے دل کیس سے ان کو
ایسے میں ڈھونڈ لانا
ایسے میں ڈھونڈ لانا۔“

اندر جانے کے ارادے سے منتا راحت
خینٹا۔ گھانا اس نے اسے جزا نے کے لیے شروع کیا
تھا لیکن سوز اور ترپ پکھو اور کہہ رہی تھی۔ اس نے
مڈلتی نظریوں سے اسے دیکھا، اس کی بے قرار نظریں
گیٹ پر جمی تھیں، نانکے پر کمی نانک، اضطرابی کیفیت
میں بھل رہی تھی اور مددھم ہوتی آواز کے ساتھ گنگنا تا وہ
خود جسم انتظار نا بوا تھا۔

”اے دل کیس سے ان کو۔“ اور ساتھ کال
بیل کی خوشگوار سی چکار اس کے لبوں پر مسکراہٹ
لے آئی۔

راحت کی مشکلوک اور سوالیہ نظریوں کے جواب
میں اس نے بے ساختہ پھیلے لب بکشکل سمیٹے اور جگنو
کی سی چمکتی آنکھوں میں زمانے بھر کی معصومیت
سمیٹتے ہوئے وضاحت کی۔

”تمہاری کال بیل کی آواز مجھے بڑی مدھر لگتی ہے،
مل کے تاروں کو چھیڑتی ہوئی، گنگنا تی ہوئی۔“
راحت نے افسوس سے سرہلاتے ہوئے قدم گیٹ کی

”ایک بار کہہ چکا ہوں کہ اب اور ایکنگ بند کر دو۔“ میران نے جھلا کر اسے کشن دے مارا۔ وہ پھر بھی دھشائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولتا رہا۔

”یار! تم بھی کمال کی چیز ہو، گرمی نے بھی تمہارے چہرے کی تازگی کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ مجھے تورونق پہلے سے بڑھ کر نظر آ رہی ہے۔ ہاں بھی، اب ہر کسی کے نصیب میں کہاں یہ ٹھنڈے جھونکے ہمیں تو ٹھنڈے پالی کا ایک شاور لے کر ہی حواس ٹھکانے لانے ہوں گے۔“ وہ تولیہ کاندھے پر رکھتا واش روم میں گھس گیا اور میران نے تکیے پر کرنکائی لیکن چند ہی سینکڑ بعد دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک نے اسے سنبھل کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

لیکن اسکواش کے جگ کے ساتھ اندر آنے والی معطر ہی بھی۔ عرصے بعد اسے روپا کر میران کا اول خوشگواری تال پر دھڑک اٹھا۔ کمرے میں اسے تنہایا کے معطر کے چہرے پر ذرا سی گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے۔

”وہ راحت بھی۔“

”وفع کرو اسے۔ تم کچھ دیر یہاں بیٹھو میرے پاس۔“ اس نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارا کیا لیکن وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سرپلانے لگی۔

”ہر بار آپ ہی کی بات ہیں مانی جائے گی۔“

”ایک منٹ پیلیز۔“ اسے پلٹتے دیکھ کر میران نے بے چینی سے پکارا۔

”جی فرمائیے!“ وہیں دروازے کے پاس کھڑے کھڑے اس نے پوچھا۔

”فرمانا کیا خاک ہے۔“ اس کا تکلف میران کو زہر لگ رہا تھا۔ ”زمت نہ ہو تو ایک گلاس اسکواش پلا وسیعے۔“ اب کے اس نے معطر سے بڑھ کے تکلف پیش کیا جسے محسوس کر کے اس کے لبوں پر پھر سے وہی گدگدا تا تبسم ٹھہر گیا جو پہلی بار میں میران کو لوٹ کر لے گیا تھا۔

وہ ہتھیلیوں میں چہرہ پھنسائے بڑی دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب وہ یہاں آئی بھی تو کافی

کو سچ بچ آدھ گھنٹے کی گرمی اور جس کی کوفت زائل ہوتی محسوس ہوئی۔

”میں جانتی ہوں راحت بھا! لیکن مجھے یہی الحال بھوک نہیں، تاشتہ دیرے سے کر کے گھر سے نکلی ہمی۔“

”جاو پھر اسکواش بناؤ اور ایک جگ ہم دونوں کے لیے بھی لے آؤ۔“ معطر کو ہدایت دیتے ہوئے اس نے جانے کے لیے رتو لئے میران کی راہ روکی۔

”تم کہاں چل دیے ہمیت تکمیل نہیں کرو گے؟ یار! یہ بھجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ تمہاری آواز میں اتنا سوز اور گداز ہے، واقعی سماں باندھ دیا تم نے۔“ وہ سے وہ ایسا ہیں موسم، مست نظر اے اور تمہاری آواز ہو جائے پھر موسم ہے عاشقانہ۔“ وہ چیزیز گھسٹ کے اور دھوپ میں لے آیا۔

”کھو تو لان کے ہیں وسط میں نرم گرمی کھاس پر گاؤ تکیے لگاؤ رہوں۔“ وہ کافی سمجھاتے ہوئے میران کو چڑا رہا تھا۔

”بس کر بست اور ایکنگ ہو گئی۔“ میں جا رہا ہوں، تمہارا اول چاہے تو گھاس پر تکے سے نیک لگا کر بیٹھو جاہے جامن کے پڑے سے لٹک کر۔“ لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی راحت نے پک کر اسے دلوں چلیا۔

”اچھا اب راز کھل گیا تو بھاگنے کی تیاری۔“ چل شرافت سے میرے ساتھ اندر۔ اب تو گرمی میں بیٹھنے کا کوئی ارمان بھی نہ رہا ہو گا۔ ”اس نے زبردستی اسے اپنے کمرے کی طرف کھیٹا اور میران نے خود کو اس کی ہر طرح کی جرح کے لیے تیار کر لیا۔

پچھلے پون گھنٹے سے سخت ترین گرمی میں نجانے کس چیز نے اسے ہریات سے بیگانہ کیا ہوا تھا۔ اب شیم تاریک کمرے میں آگرا سے یک دم احساس ہوا کہ اندر اور باہر کے موسم میں کتنا فرق تھا۔ تپش سے جھلتے بدن کو ایک دم ہی ٹھنڈک بھرا مس ملا۔ راحت کا اسے سی آن کرنے کے لیے پرہتبا تھرک گیا۔

”اوہ، کہیں تمہیں چھینکیں نہ آنا شروع ہو جائیں۔“

کو چھ ماگز رکھ کر تھے لیکن خواجہ ہاؤس اور اس کے میکنوں پر ابھی تک روز اول والی سوگواری نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے خود مہران بھی خود کو اس مہیب اداسی سے بچانے پایا تھا۔ بلکہ ویکھا جائے تو سب کے دلوں پر غم اور صدمے نے حملہ ہی اب کیا تھا مہا نور کی آنا "فانا" بڑھتی عام سی تکلیف اور پھر ایک آدھ دن میں ہی وفات کی خبر نے پہلے پہل سب کو جس جھٹکے سے دوچار کیا تھا وہ حیرت کا تھا۔

کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ ایک نہستی کھیتی زندگی سے بھر بور لڑکی جس کی آنکھوں نے ابھی ابھی خوابوں کا زانقہ چکھا تھا، ہمیشہ کے لیے پلکیں موند چکی ہے جیسے جیسے حیرت کا فلکنجہ ڈھیلا پڑا گیا، دکھ کی گرفت منبوط ہوتی گئی۔ تمام بھابھیاں تو نہ ہال تھیں، ہی، تھے بھی اپنی ہوش میں پہلی موت دیکھنے پر سمجھے ہوئے تھے۔ غرض یہ کہ گھر کا ماحول بھی اس قدر ماتمی اور سوگوار ساتھا کہ مہران کو سنبھلنے کا کوئی سارانہ مل سکا۔ اسی عالم میں اس کا ایم بی اے کا رزلٹ آیا۔ اس کی شاندار کامیابی نے خواجہ ہاؤس کے درودیوار پر چھائے جمود پر پہلی دڑاڑ والی اور کئی ماہ سے ایک دوسرے کو دلا سادیتے میکنوں نے خود کو مبارک باد دیتے تھے۔

ان ہی دنوں نشاط باجی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے راحت سے اس کی دوستی نہیں تھی۔ وہ دنوں ہائی اسکول سے ایک ساتھ تھے لہر کین کی ہلکی پھلکی کی دوستی کا لج جا کر یارانے میں بدل گئی۔ راحت اگرچہ لی کام کرنے کے بعد اپنے ابو جی کے ساتھ آفس جانے لگا تھا لیکن دنوں کی دوستی پہلے سے کمیں زیادہ غمی ہو گئی تھی کیونکہ کانج کی دوستی اب گھر تک پہنچ گئی تھی۔ مہران اب اس سے ملنے اس کے گھر جایا کرتا تھا، اس کے مختصر سے گھرانے کا سادہ اور پر خلوص ماحول اسے بے حد بھایا تھا۔

نشاط باجی کی ڈانٹ سننے، چھوٹی مینا کی شکایتیں سننے اور امی جی اور ابو جی کی نصیحتیں سننے میں اسے مزا آنے لگا تھا۔ ماہ نور کے بعد اس کا دل ہر ہیز سے ایسے اچھا ہو گیا تھا کہ اس نے راحت کے گھر تک جانا رفتہ

یونیفارم میں تھی، سفید لباس میں دھوپ کی تمازت سے تمتمایا چھوپے حد سرخ لگ رہا تھا۔ اب اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا سالان کا سوت پین رکھا تھا جو غالباً" مینا کا ہو گا۔ اس نے منہ ہاتھ دھونے کے بعد تو لیے پونچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی، بلکہ ملکی سی نمی تھے آثار گالوں پر نمایاں تھے اور ماتھے کے ذرا اور بالوں پر چند سترے قطرے بھی دمک رہے تھے۔ "بھیجیے!" گلاس اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ کے وہ پھر سے انٹھ کھڑی ہوئی۔ مہران دوبارہ کوئی بہانا بنا کے اسے پکھا دیں اور روکنا چاہتا تھا لیکن واش روم سے مسلسل آتی بستے پانی کی آواز ایک دم خاموش ہوئی تو اسے خود پر ضبط کرنا پڑا۔

بہرحال وہ اپنی بے قراری کی وجہ سے معطر کی تارانی افروز نہیں گر سکتا تھا اور معطریہ وہ اس معاملے میں حد سے زیادہ حساس اور محتاط تھی، اسی لیے تو اس کا رابطہ مہران سے صرف ای میلز اور یہی فون کالز تک محدود تھا اور آج کئی ماہ کے بعد صرف اور صرف اس کی خدم اور اصرار کے ہاتھوں تنگ آکے وہ یہ راہ نکالنے پر مجبور ہوئی تھی مگر مہران کی اسے ایک جھٹکہ دیکھ لینے کی خواہش بھی بیوی ہو جائیے اور اسے کسی ایسے امتحان سے بھی نہ گزرنا پڑے جس کے تیجے میں اس کے گھروالوں کا اس کی ذات پر اختیار ڈگنگا جائے۔ اس کی شوخ اور قدرے بولڈ تھیست کے پر دے میں پوری آب و تاب کے ساتھ جگہ گاتا یہ نسوائی و فقاری تو مہران کو بھایا تھا۔ اسے آج بھی اپنی اور اس کی پہلی ملاقات یاد تھی۔



بات زیادہ پرانی نہیں تھی بلکہ مہران کو تو جسے کل کا واقعہ لگتی۔ ایسا ہی ہوتا ہے، دن جب خوشگوار ہو جائیں پسربج سبک ہو جائیں اور راتیں خواب بننے میں لگیں تو ایسا ہی ہوتا ہے اور ایک وقت وہ بھی تھا جب اسے تمام شب و روز ایک جیسے لگتے تھے۔ جامد تھکے ہوئے طویل اور اکتا ہوئے یہ بھی ان ہی مشکل دنوں کا ذکر ہے۔ ماہ نور کی وفات

سری قولیاں سننے کا۔"

"اچھا میری توبہ جواب میں نینے چوں کی آواز بھی نکالی اپنے منہ سے لیکن تجھے بھی قسم ہے میری دوستی کی کہ اپنی بہن کی خوشی میں تمام رسموں میں پورے مل کے ساتھ شریک ہونا پڑے گا۔" اس نے بات ہی ایسی کی تھی کہ میران کو آتے ہی بنی۔

"اوٹیرے بڑے دے متھے تے۔"

مرست نذریکی آواز میں اس مشہور بیخالی گیت کو وہ کئی بار سن چکا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس میں اتنا ہنسنے والی بات کون سی ہے۔ کافی دری سے برآمدے میں بیٹھا وہ گیت کے ان بولوں کی سکر ابھی سن رہا تھا اور ساتھ ہی بے ساختہ امنڈنے والے قہقہوں کو بھی۔ غصی کا طوفان ذرا تھما تو پھر سے ایک لڑکی نے ڈفلی پر تال مارتے ہوئے آواز بلند کی۔

"متھے تے چندن یے۔" ابھی وہ یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ پھر سے جی کھلی کھلی اور رہا ہاہاہ شروع ہو گئی۔ اندر سے نشاط باجی پیر پختی نکلیں۔

"منع کرلو ان سب کو راحت و رہنہ میں ابو جی کو بتا دوں گے۔" وہ روہانی ہو رہی تھیں۔ راحت، جس کے اپنے دانت اندر نہیں جا رہے تھے۔ سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"یا جی! میں سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ کیوں چڑھی ہیں۔ اب یہ نہیں مذاق تو چلتا ہی ہے تا۔" وہ ناراغ ناراض سی بہن کو شانے سے تھامتا اندر لے گیا اور جانے کیا کہا کہ کچھ دری کے لیے نہیں کا طوفان ہٹھم گیا۔ خود وہ باچھیں چیرتا تھوڑی دری بعد ہی آگیا۔

"بڑی بد تمیز ہے یہ بینا بھی۔ سارا شوشا اسی نے چھوڑا ہوا ہے۔" پھر میران کی سوالیہ نظرؤں کے جواب میں کہنے لگا۔

"یار! دراصل یہ جو منور بھائی جان ہیں، میرے ہونے والے بہنوئی بالوں کے معاملے میں ذرا ہاتھ ٹنگ ہے ان کا۔ ما تھے سے کافی آگے جا کر حدود شروع ہوتی ہیں۔ اسی لیے۔"

اور میران کو "متھے تے چکن بال" پر لڑکوں کا

رفتہ نہ ہونے کے برابر کر دیا تھا۔ راحت جانتا تھا کہ اس کے الی کی طرف سے تمام بیٹوں کے دوستوں کا گھر تک بلاوجہ آتا منوع ہے۔ اس نے اس بات کا بھی برا بھی نہیں مانا تھا لیکن میران کی پر شمردگی اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ ٹھیک کھائی کے اسے اپنے ساتھ لے آتا۔ نشاط باجی بینا، ای جی سب بلکہ پھلی گفتگو کے ذریعے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتے۔ سب ہی اس گھر پر اپنے گزرنے والے سانچے سے واقف تھے اور واقعی چند گھنٹے سب کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ خود کو براہمکا سماں کا ساموس کرتا لیکن گھر آنے کے بعد وہی افسر دگی اور یادیت کی لہر سے اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔

راحت کے گھر شادی کی تیاریاں زور دی پہ تھیں۔ آج شام میلاد کے بعد ڈھولک رکھنے کا پروگرام تھا۔ راحت اپنی ای جی کے ساتھ اس کے گھر دعویٰ کارڈ دینے آیا تھا۔ ای جان اور بھا بیسوں سے میلاد میں شریک ہونے کے ترزوں اصرار کے بعد اس نے میران کو رات ڈھولک کے لیے پہنچنے کی سختی تے مأکید کی۔ بھا بیسوں سے تو اس نے مصلحتاً "اس رسم میں شامل ہونے کے لیے نہیں کہا تھا، مباراکہ برا محسوس نہ کریں کیونکہ میران کا کہنا تو یہی تھا کہ ابھی تک دو خود کو چھوپی اور چھیتی بہن کے دکھ سے نکال نہیں پا سکتی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے؟ میں اس خالص گھر پلو اور زنانہ محفل میں کیا کروں گا؟" میران نے اس کے اصرار پر حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ڈھولک پہ چچے بجاوے کے تارے یار مل پیٹھنے کا بہانہ ہے یہ سب اور کہا۔ سب یار دوست مل پیٹھیں کے، گپ شپ لڑے گی، چائے قتوے کا دور چلے گا، بیک گراونڈ میں لائیو میوزک الگ سے نجح رہا ہو گا۔ بنو تیرے ابا کی اوپنجی حولی بنو میں اینٹیس چنتا آیا۔" وہ بھانڈوں کی طرح مالیاں پیٹنے لگا تو میران نے ناگواری سے اسے گھورا۔

"یہی حرکتیں اگر تم نے رات کو بھی کرنی ہیں تو میرے آنے کی امید مبت رکھنا مجھے شوق نہیں بے

سرچ لائست کا انتظام کرنے بھیج دیا گیا تھا اور خود راحت استور میں سے پہچنے سال کی بست کے نئے پیچے کھے مانچے گذے نکلوا رہا تھا۔ سب کی افرا تفری بھاگم دوڑ اور سب سے بڑھ کر پیچے کے کمرے سے آتی۔ پسروی آوازوں اور ڈھولک کی تھپ تھپ نے اسے اتنا بیزار کیا کہ وہ اٹھ کر برآمدے کے دو سری جانب چلا گیا جہاں پہن کی کھڑکی اور بیرونی دروازہ کھلتا تھا۔ برآمدے کے ایک طرف پنجرے میں لو بڑھ رکھے تھے۔ اس نے جالی کو ہلاکا سا تھپتھیا یا مگر ایک بھی پنجرے میں رکھے گئے مشی کے چھوٹے چھوٹے گھروں سے باہر نہ نکلا۔

”میں میں۔“ طوطے کی کراری آوازہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ گرل کے دروازے پر لٹکے تکڑی کے خوشنما منحصرہ پنجرے میں بھی سی سبز اور پیلی دم والا طوطا پھدک پھدک کر اسے اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ میران اس کی طرف بڑھ گیا۔

”مشھو۔“ میاں مشھو، چوری کھاؤ گے، میاں مشھو۔“ وہ آہستہ آواز میں اسے یکارنے لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے بچپن لوٹ آیا ہو۔ ایک رُونق اور پنجرے پر کھڑیں قدر سے تاریک اور تنہا گوشے میں ایک محضوم سے زی روح کے ساتھ اٹھیلیاں کرنا اسے عجیب رُلطف سالاگا۔

”مشھو، مشھو نے کیا کھانا ہے، بسکٹ۔“ وہ طوطے کو چکارتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا بسکٹ توڑ کر پنجرے میں ڈالنے لگا تھا کہ ایک خفگی بھری آواز پر بڑی طرح چونک گیا۔

”بد تیز، شرم تو نہیں آتی اس طرح۔“ پہن کی کھڑکی سے کسی کڑکی نبے حد جارحانہ انداز میں اسے لتاڑنا چاہا لیکن پھر اس کی حواس باختہ سی شکل ہاتھ میں پکڑے بسکٹ کے ٹکڑے اور سامنے لٹکے طوطے کے پنجرے کو دیکھ کر رک گئی۔ خجالت کے رنگ اس کے نکھرے چربے پر صاف نظر آ رہے تھے۔

میران کافی دیر پکھنہ سمجھنے کے سے انداز میں ہکارا کھڑا رہا پھر دنعتاً لڑکی کے ہاتھ میں پرنس کو کونٹ

کھلکھلانا سمجھ میں آگیا۔ اس نے بے ساختہ وارو ہوئی مسکراہٹ کو منہ پھیر کر چھپا۔

”پھر بھی یہ ہے تو بد تیزی۔“ تمہیں سختی سے منع کر کے آتا تھا مینا کو۔ بیچاری نشاط باجی کو کتنا برا الگتا ہو گا۔

”مینا کوئی اکسلی تو ہے نہیں جو میں اسے ڈپٹ کر چپ کر دوں۔“ جسے کا جھٹا ہے اس کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر مٹھو، اس کی موجودگی میں سب ہی لڑکیاں شیر ہوئی بیٹھی ہیں۔

”اچھا چلو ایسا کرتے ہیں گانے کے بول بدل لیتے ہیں۔“ ایک شوخ و شنگ سی آواز نے رائے دی۔

”متھے تے ناؤں ناؤں (کہیں کہیں، اکا دکا) بال میرے بڑے تے۔“

”بس کرو، میں اب تم سب کو مارنے لگوں گے۔“

باجی نے دھاڑ کر چپ کرایا۔

”ہم کیا کریں باجی! میلاد میں آپا جی نے ایسی اچھی اچھی باتیں بتائی ہیں، اب جھوٹ بولنے کو دل ہی نہیں کرتا۔“ مینا کی منہتائی آواز سب نے تائید کی۔

”ٹھیک ہے۔ اگر تم نے ابھی اور اسی وقت اس تنازعہ گیت کو جھوڑ کر کوئی اور گیت شروع نہ کیا تو میں یہ مقدمہ ابو جی کے یاس لے جاؤں گی۔“ اس دھمکی کے ساتھ ہی ڈھولک کی تھاپ کو بھی اور کورس بجنا شروع ہو گیا۔

”جیجا جی، جیجا جی
بھولے بھالے جیجا جی۔“

شروع سروی کے دن تھے۔ ابھی خنکی اتنی بڑھی نہیں تھی۔ راحت نے نادر اور شعیب کے ساتھ مل کر نائٹ بست منانے کا روگرام بناؤالا۔ مارے جو شکر کے سب لڑکوں میں کھلبیا مچ گئی۔ میران کوتینگ بازی سے کوئی خاص و لچکی نہیں تھی۔ وہ وہیں برآمدے میں ٹھس سا بنا بیٹھا ساری کارروائی دیکھتا رہا۔ نادر فوراً پیشتر اپنی موڑ سائیکل اشارٹ کر کے گھر سے پینگلیں اور ٹلڈے لینے چلا گیا تھا۔ شعیب اور یاس دری، گرسیاں اور ڈیکٹ چھٹت پر پہنچا رہے تھے۔ مظہر کو

اپنی ساری شانگ کر لیں۔
”کوئی کیست آن کریں ناں بھیا۔“ مینا کی فرمائش پر
اس نے آن کر دیا اور یہ بھی چاروں کی چھوپڑے اس
کا مل گھبرا رہا تھا۔ گانے کی آواز میں کم از کم ان کی
آوازیں پچھے تو دب جائیں گی۔

ہاتھ سے ہاتھ کیا گیا
دل تیرے ساتھ کیا گیا
شیراؤ کی مختصری فضا میں گلوکار کی پرسوز آواز گئی۔
تو نہیں

تیری چوڑیوں کی کھنک
اب بھی ستاہوں دل کی دھڑکن سے
تیرے آنچل کی ست رنگی وھنک
جا شہیں بائی سیرے آنکن سے

مینا نے بڑی گھری نظریوں سے پہلے اسے اور بھر پچھے
مرد کر مشبو، بیلی اور ردا کوں لکھا۔ اس کے اس جتنے
والے انداز کو مران نے سرسری سالیا اس کا سارا
وھیان تو ڈیوس روڈ کی عربانگم رُنگ کی طرف تھا۔
میوزک کے شور نے ان چاروں کی گفتگو مدد ھم کر دی
تھی، اس کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا، ورنہ
اسے دوران ڈرائیونگ میوزک سننے کا کوئی خاص شوق
نہ تھا اور وہ بھی اس طرح کی سڑکوں پر۔

”مران بھیا! آپ ہنسا بولا کریں، یوں چپ چاپ
کب تک؟ میرا مطلب ہے، الیے تو زندگی نہیں
گزرتی۔“ اس نے پارکنگ میں کار گھٹی کی تو مینا بہر
نکلنے نکلنے رک کر بڑی دل سوزی سے اسے مشورہ دینے
لگی۔ اسے نہیں آگئی تیکن بظاہر سنجیدہ ہو کر اسے ڈپٹا۔
”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ چلو اترے اور
جلدی سے کام نہیں کر آؤ۔“ اب وہ اسے کیا بتا کہ اس
انجан لڑکی پہلا پڑنے والا غلط امپریشن اس کی
سنجیدگی اور یہ دیرے رہنے والے انداز سے ہی زائل
ہو سکتا تھا۔

”لیکن میں اس پر اچھا امپریشن ڈالنا ہی کیوں چاہتا
ہوں؟ میری بلا سے وہ جو چاہے بھے۔“
دل کی بے تکی احتیاط پر اس نے خود کو جھڑکا۔ واپسی

کو کیز کا ذبہ دیکھ کر ساری پچھوٹش سمجھ گیا۔ اس سے
سلے کہ وہ وضاحت کرتا ہلکی خود ہی منظر سے او جھل ہو
چکی۔ کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود اسے اپنی پوزیشن
بڑی آکروڈسی لگی۔ بس حال دوست کا گھر تھا اور خوشی کا
موقع۔ نجات یہ لڑکی راحت کی کوئی تھی۔ کہیں کوئی
غلط ہمی معاملہ بگاڑنہ دے۔ وہ خائف ہو کر اوپر بست
کی تاریوں میں شامل ہونے چل رہا۔

اگلی شام اتفاقاً راحت کے گھر میں داخل ہوتے
ہی اس کا سامناسب سے پہلے اسی لڑکی سے ہوا۔ یورچ
میں رکشہ رکھائے وہ نجات کی مذاکرات میں گم ہمی
بے نیازی سے گزر اندر جائے ہی دالا تھا کہ مینا کی
آواز تک۔

”بھیا! مران بھیا۔“

دہر کر اسہر اسہر رکھنے لگا۔ آواز رکشہ میں سے
آرہی تھی۔ اچانک رکشہ خالی ہونے لگا۔ مینا کے بعد وہ
اور لڑکیاں بھی اچھل کر باہر نکل پڑیں۔

”مران بھیا آگے ہیں مشبو۔“ اور مشبو نے بے
ساختہ چونک کراہے لیا۔ مران کو بھی اس لفظ سے
گزشتہ رات ہونے والا دیج سپ واقعہ یاواگیا۔ وہ دل ہی
دل میں بے حد محظوظ ہوا۔

(اوہ تو اس قدر چڑھنے کی وجہ سے تھی کہ موصوفہ کا اپنا
نام مشبو ہے۔ تب تو واقعی وہ یہی بھی ہو گی کہ میں اس
کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا ہوں، اس خیال کے آتے ہی
وہ سنبھل سا گیا۔ اگرچہ صورت حال اسی وقت کلیئر ہو گئی
تھی پھر بھی اسے اپنا میج توصاف رکھنا ہی تھا۔)

”چلیں مران بھیا! ہم سب کو مارکیٹ لے
جائیں۔“ وہ یورے اسحقاق سے کہتی ہوئی اسے
وابیس گاڑی کی طرف لے جانے لگی۔

”اور تم اپنا رکشہ بے شک وابیس لے جاؤ۔ بڑا
آیا سسہ چار چار سواریاں نہیں بٹھاؤں گا۔“ وہ منہ اور
آواز بگاڑ کر یوں تو مران نے سرزنش کی۔

”بری بات مینا! یوں ہر کسی سے نہیں الجھتے۔“ نہ
چاہتے ہوئے بھی وہ چاروں لڑکیوں کو مارکیٹ لے گیا،
اس الشی میٹم کے ساتھ کہ ایک گھٹتے کے اندر اندر وہ

”یکو اس بند کرو۔ مجھے کیا پاگل سمجھ رکھا ہے۔“
اس کی بے شکنی باقیوں پر میران کو استعمال آگیا اور وہ یہ
حانتے ہوئے بھی کہ اس کی مخاطب ایک لڑکی ہے اس
لبخی میں بات کر بیٹھا۔

”اگر مذاق ہی کرنا ہے تو اس میں کسی مرے ہوئے
شخص کو استعمال تو مت کرو۔ کم از کم اتنا احترام تو تھیں
کرنا چاہیے۔“ اسے واقعی اس شکنین مذاق سے
تکلیف ہوئی تھی۔

”مرے ہوئے شخص کا احترام؟“ دوسری طرف
سے بڑے اپنے ہوئے کے ساتھ دہرا لایا گیا۔ ”کیا ماہ نور اب
اس دنیا میں نہیں؟“

”نہیں، ماہ نور کو گزرے چھ ماہ ہو چکے ہیں اور اب وہ
بھی واپس نہیں آسکتی۔“ اس نے اس مذاق کرنے
والی کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”یہ تو آپ کو سمجھانا چاہتی تھی میں مسٹر میران۔“
اس کا الجھہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ ”کہ میں ماہ نور نہیں ہوں
۔ کوئی بھی ماہ نور نہیں ہو سکتی، ہاں کسی اور کائنات ماہ نور
ضرور ہو سکتا ہے مگر وہ نہیں ہو کی کونکہ ماہ نور
ایک ہی تھی اور اب نہیں ہے۔ اور نہ ہی بھی واپس
آئے گی۔ اگر آپ اس حقیقت سے باخبر ہیں تو پھر اسے
تلیم کیوں نہیں کر لیتے کہ ماہ نور کو آپ کسی بھی طرح
وابس آنے پر بجبور نہیں کر سکتے۔“ فون بند ہو چکا تھا
لیکن ریسیور یا تھہ میں لیے وہ کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔

وہ کون تھی، کیا کہنا چاہتی تھی اور کیا کہہ رہی
تھی۔ سب اس کی سمجھے سے باہر تھا۔ پہلے تو وہ اسے
کسی پھیٹھی حس مزاح رکھنے والی لڑکی کا اوچھا سامذاق
سمجھا تھا لیکن اب اسے بات پکھے اور بھی لگ رہی
تھی۔ اس نے اپنا تعارف جس انداز میں کرایا تھا تاب
غصے اور حیرت کی شدت نے اس کا دماغ تقریباً ”اوُف
کر دیا تھا اور اس نے کسی بات کی طرف دھیان ہی
نہیں دیا تھا۔ اب ایک بات تھی جو اسے کھنک رہی
تھی، اندر کیسی ایک الارمنیج رہا تھا لیکن وہ پورے
دشوق سے کہہ سیں سکتا تھا کہ جو پکھے وہ محسوس کر رہا
ہے ویسا واقعی ہے بھی یا نہیں۔ اگر اس وقت بات

پر مینا کے ساتھ ساتھ ماقی تینوں لڑکیوں کی غیر معمولی
شجیدگی اور خاموشی پر وہ پکھے کھٹکا۔ زر اگردن گھما کے
پیچھے دیکھ لیتا تو یقیناً ”آن سب کی آنکھوں سے جھانکتا
ترجمہ اسے مزید الجھاد تھا۔

اگلے دن وہ قصد اُنہے گیا۔ وہ دن، ہی خوب جی بھر
کے بور ہو لیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب شادی
کے دن، ہی جائے گا چاہے راحت کتنا ہی اصرار کیوں نہ
کر لے۔ رات گئے فون کی نیل نے اس کی محیت
توڑی۔ وہ لاونچ میں بیٹھا رسول کو کی نئی مودی
(A Beautiful Mind) میں کھویا ہوا تھا۔ (یہ
پونے ایک بچے کس کا فون ہو سکتا ہے) اسی الجھن
میں اس نے ریسیور اٹھایا تو وہ دوسری طرف سے موصول
کردہ تعارف نے اسے اپنی جگہ سے اپنے چھلنے پر مجبور کر
دیا۔

”میں ماہ نور بول رہی ہوں۔“
”جی؟“ وہ صرف اتنا ہی کہہ پایا۔
”میں ماہ نور بول رہی ہوں میران۔“ اس گنگتاتی
ہوئی سی آواز میں جیسے شہر گھٹا ہوا تھا۔
”کون؟ کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟“ کوئی ایک
ماہ نور تو نہیں زمانے میں۔ اس خیال کے تحت اس
نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پھر بوجھا۔
”ماہ نور اور کس سے بات کرنا چاہے گی؟ ظاہر ہے
میران سے۔ جو اسے اتنی دور سے بلا لایا ہے۔“ میران
کے ماتحتے پہ شکنین نمودار ہو گئیں۔ ”اگر یہ شرارت
ہے تو بڑی ہی گھٹایا۔“ لیکن یہ کون ہے جو اتنا قریب
ہے جانتی ہے مجھے؟“ یہ سب سوچتے ہوئے اس نے
ختی سے سوال کیا۔

”محترمہ! آپ کون ہیں؟ رات کے اس پہر کسی کے
گھر فون کر کے بے مقصد گفتگو کر کے کیا ثابت کرنا
چاہتی ہیں۔“

”یہی کہ میں ماہ نور ہوں۔ میں لوٹ آئی ہوں۔ کسی
کی بے قراری، اداسی اور تڑپ مجھے سے دیکھی نہیں
گئی۔ میں نے خدا سے اپنی زندگی دوبار ”ماں“ اور لوٹ
آئی۔ کیا میرا یقین نہیں کرو گے میران۔“

”کیسی حرکتیں؟“ اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد مہران نے اب اس کی گفتگو کی طرف دھیان دیا۔

”یہی اداس رہنا،“ کم صمم چپ چاپ بیٹھے رہتا زندگی سے بیزاری، رونق اور جماں کی سے اکتا ہے، خوشیوں سے ناراضی... الیہ گیت سننا۔“ اس کے آخری حوالے پر وہ بڑی طرح چونکا۔ اسے یاد آنے لگا کہ اس شام گاڑی میں وہ سڈ سونگ لگتے ہی مینا کے تاثرات بدلتے تھے اور مارکیٹ سے واپسی پر باقی لڑکیوں کا رویہ بھی بدلا بدلا لگ رہا تھا۔

ہونہ ہو یہ ان چاروں میں سے ایک ہے اور یہ بھی ممکن ہے چاروں کاٹولہ ہی ہو۔ مینا احمد بھی ہے اور شریر بھی لیکن اس طرح کاملاً اور وہ نہیں۔ ہو سکتا ہے، یہ سب اسی کی وجہ سے ہو لیکن یہ مینا نہیں ہو سکتی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اپنے مہران بھیا سے اتنا سمجھیں مذاق کر سکے۔

”آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ رویہ آپ کو نارمل زندگی سے دور لے گر جا رہا ہے۔“ اس کی خاموشی نے لڑکی کی ہمت مزید بڑھائی۔ ”آپ ذہنی مریض بھی بن سکتے ہیں بلکہ بن رہے ہیں۔ بات کرتے کرتے چپ ہو جانا بھی اس کی ایک نشانی ہے اور بے زبان جانوروں اور پرندوں سے اکیلے میں گفتگو کرنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اب انسان سے نا میں ہو چکے ہیں۔ ویسے یہ غلط رویہ ہے۔ زندگی کی ایک فرد کے جانے سے مختتم نہیں ہو جاتی اور...“ وہ بولتی رہی اور مہران نے شہنشہ سالس بھر کے ریسیور کو گھورا۔

جوبات وہ جاننا چاہتا تھا، اس نے بڑلوں پر میں خود ہی اگل دی تھی۔ بچپن سے الی جان کے پالے ہوئے کتوں، بلیوں، بظخوں، مرغیوں اور طوطوں میں رہ رہ کر اسے ان بے زبانوں سے انسیت سی ہو گئی بھی اور اس رات طوٹے سے با تسلی کرتے ان چاروں میں سے صرف ایک لڑکی نے ہی اسے دیکھا تھا۔ وہ لڑکی جو طوٹے کی ہم نام تھی اور شاید ہم عادت بھی۔ ابھی بھی ایک تو اتر کے ساتھ رثا رثا یا سبق دہرا رہی تھی۔

”آپ کی ابھی عمر ہی کیا ہے۔“

کرتے ہوئے وہ دھیان دے لیتا تو شاید کوئی سراہا تھے آجائے۔ خود سے الجھتا وہ سوچی گیا۔

اگلی رات اسی وقت ٹھیک ایک بجے اسے پھر فون کی بیل سنائی دی۔ دن بھر جاپ کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف وہ رات کا واقعہ تقریباً ”بھلا چکا تھا“ اس لیے نوٹس نہ لیا، تیسری بیل پر جیسے اس کے ذہن میں جھمکا کا ہوا، اس نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا اور جلدی سے سلیپر پہننا کرے سے نکلا۔

لقمان بھائی جمایاں لیتے لاڈنچ سے نکل کر واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے فون یا تو بند ہو گیا تھا یا پھر کسی نے ان کی آواز سن کر لائیں کاٹ دی تھی۔ وہ بیل کی آواز کم کرتے ہوئے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ اس پار اس نے خود کو اپنے اوسان بحال رکھنے کا آرڈر دیا۔ پھر جملے فون سے اس کے لاششور میں جو ہلکی سی پس منظر کی باز گشت رو چکی تھی؛ وہ اس کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ ہلکی سی تھا پ سنائی دے رہی تھی وہ چوکنا ہو گیا۔

”میلو کون؟ ماہ نور؟“ اس نے جان بوجھ کریہ کما تھا۔

”اپ۔ آپ کب سمجھیں گے کہ ماہ نور کو آپ اس طرح جوگ لے کرو اپس نہیں لاسکتے۔ آپ اسے یاد رکھیں کسی اچھی بات کی طرح لیکن اس یاد کو ناسور مت بنائیں۔ آپ مجھتے ہیں کہ اس طرح کی زندگی گزار کر آپ اس کی روح کو کوئی تسکین دے رہے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کی یہ حالت دیکھ کر اسے یقیناً“ تکلیف ہو رہی ہو گی۔ ”وہ کیا کیہ رہی تھی۔ اسے خبر نہ تھی، ساری توجہ اس جانب تھی کہ وہ کہاں سے بول رہی ہے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت اکیل نہیں بلکہ اس کے ارد گرد اور بھی لڑکیاں جمع ہیں جو اسے مختلف مشوروں سے نواز رہی ہیں۔ ان کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اس تک پہنچ رہی تھیں۔

”آپ کی یہ حرکتیں...“

پورے جوش کے ساتھ ڈالس کرنے میں مگن تھی۔
گزز اور دوستیوں کی متواتر بیجتی تالیاں اسے اور
پُر جوش کر رہی تھیں اور اس کے تھر کتے پیر مزید منحر
ہو کر تال سے تال ملانے لگتے تھے۔ دروازے میں
ایسٹاہ مہران نے بڑی دلچسپی سے اس کی سادہ مگربے
ساختہ حرکات دیکھیں۔ کھلتے ہوئے پیلے رنگ کے
تمیص پاسجامہ کے ساتھ اس نے چجزی کا چنا ہوا پیلا، بزر
اور سرخ رنگ کا دوپٹہ لے رکھا تھا۔ دونوں کلاسیوں
میں بھر بھر کے ہم رنگ کا پنج کی چوڑیاں پہن رکھی
تھیں۔ رسمی مال چوٹی میں قید تھے، البتہ چند لیس
ڈالس کے دوران چرے پر کر آئی تھیں، ہلکے سے
میک اپ کے ساتھ وہ پہلے سے کیسیں اچھی اور الگ
نظر آ رہی تھی۔

بھروسے توں را ہواں تکدی
پاریں آں شام
مختال کر کر تھک گئی آں میں
سو ہنسیاں واںگ غلام

دونوں ہتھیاں جوڑ کر جب اس نے فتیں کرنے کا
اشارة اکرتے ہوئے رخ پھیرا تو ایک دم مہران کو محسوس
ہوا جیسے اس کا اول بھی انہی ہتھیلیوں کے درمیان
پھنس کر رہا گیا ہے۔

اج میری اک من لے تو
اج میری اک من لے تو

فضا میں لہرا کر اکھتے اس کے مرمریں بازو دھیں بلند
رہ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سامنے رکھنے لگی۔
اس کی نظروں کے تعاقب میں اکثر نیچپے کردنیں
گھما میں تو خود کو سنبھالتا مہران یوں قدم بڑھانے لگا
جیسے وہ ابھی ابھی منظر میں داخل ہوا ہو۔ مشہور وہ
سے کاریث میں بیٹھ چکی ہی۔ گانا ابھی بھی چل رہا تھا
اور کئی لڑکیوں کی قل قل بھی شروع ہو چکی ہی۔
مہران نے متانت سے پھولوں سے بھرے تھلے بینا کی
طرف بڑھائے اور اسی سنجیدگی سے باہر نکل گیا۔

اگرچہ رسم رات دیر کئے تک جاری رہی مگر وہ
قصد "سازھے بارہ بجے دہاں سے نکل آیا۔ پورے

"بیچتیں سال۔" سنجیدگی سے نوک کربات کاٹی۔
اس کا سلسلہ کلام پھر سے جزا۔
"وہی تو، اس عمر میں جوگ لے لینا کوئی اچھی بات
ہے؟ آپ کی ذات پر دوسرے رشتہوں کی محبتیں بھی
فرض ہیں۔ کسی ایک کے عشق میں دنیا چھوڑ دینا
انصار ہیں۔" وہ تجانے کس غلط فہمی میں بنتا تھا۔
کیا عشق؟ کیسا جوگ؟ وہ دل، ہی دل میں نہس پڑا۔
اچانک اسے شرارت سو جھی۔
"میاں مشہو اچوری کھاؤ گے؟"

دوسری طرف زبان کو اچانک بریکس لگ گئی۔ مہران
نے اپنا سوال دھرایا تو لمبی سی "ہائے" کے ساتھ فون
رکھ دیا گیا۔

اگلے دن وہ بظاہر راحت کے "پُر زور اصرار" پر
وہاں گیا تھا۔ حالانکہ رات کو فون بند ہوتے ہی اس نے
کل ماہیوں کی تقریب میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
اس کی متلاشی نظریں اسی کوڈھونڈ رہی تھیں لیکن
ابھی تک اس کی ایک بھی جھلک وہ کہنے پایا تھا۔ ایک
تو آج باقاعدہ رسم تھی ماہیوں کی اس لیے لوگ بھی زیادہ
تعداد میں تھے۔ دوسرے یہ کہ نشاط بآجی کے کمرے
کے بجائے لڑکیاں آج ہال میں جمع تھیں۔ وہیں رسم
اواہونی تھی۔ اس وقت شاید اوہ صرف فصل و ٹکوکاری کے
منظور ہے ہو رہے تھے۔ اس لیے مردانہ داخلہ منوع
تھا۔

"یار مہران! یہ ہار اور گجرے ذرا اندر مینا کو پکڑا آ۔"
راحت نے اسے پیلے رنگ کے پھولوں سے بنے
درجنوں ہار اور گجرے تھمائے اور خود عجلت میں لالن کی
طرف لپکا جماں لشیں اس کی مرغی کے مطابق
سیٹ نہیں کی گئی تھیں۔ وہ پھولوں کا ڈھیر سنبھالتا ہال
کی طرف بڑھا۔

بیناں بھائی رکھ دی میں بیناں بھائی رکھ دی
دیواں بیلے ساری رات میر بینا

دیواں بیلے ساری رات
کاریث پے گول دائرے کی صورت میں بیٹھی تالیاں
بجا تی لڑکیوں کے ہجوم میں وہی بھی جو اس وقت

”گود میں رکھ لینا۔“ اس کے قطعی لمحے پہ ناچار وہ
پیچے اتری۔ ”ارنے مشهو تو بہر کھڑی کے ابھی تک
آ جامیرے ساتھ بیٹھ جا۔“ اس کا بازو بھی کھینچا۔

اب مران کے برابر میں صحت مندی کی گپتوں بینا
تھی اور ساتھ پھنسی ہوئی مشھوا اور دونوں کی گود میں رکھا
تھال جس پہ مندی پہ گری افشاں اور کہیں کہیں رکھے
سلور پینٹ کے دیے بجے ہوئے تھے پیچے بیٹھی
لڑکیوں نے مندی کے گیتوں کی پریکٹس حارثی رکھی
تھی لیکن وہ دونوں چپ چاپ سامنے تکے جا رہی
تھیں۔ لڑکے والوں کا گھر قریب آنے پر اس نے بریک
لگائی۔ گھر سے ذرا پسلے ہی تمام لوگ سواریوں سے اتر
کر جمع ہونے لگے۔ وہ دونوں بھی اترنے والی تھیں
جب مران نے کہا۔

”تم درجنوں نے جو حرکت کی، مجھے اس کی وضاحت
چاہیے، مکمل جواز کے ساتھ، جو کہ میں جانتا ہوں کہ
ہرگز تھیں ہو گا تمہارے پاس۔ پھر بھی اس حرکت
کو انتظار نہ کرو بینا جاہیے یا نہیں اس کا فیصلہ تمہاری
وضاحت سننے کے بعد ہی ہو گا۔“

”یہیں پھیاں دراصل۔“ بینا اگر بڑا کے کچھ کہنے
ہی جا رہی تھی کہ مران نے روک دیا۔

”تم سے تو میں بعد میں تفصیلی بیان لوں گا۔“ اس
نے خشمگیں نظریوں سے گھور کر بینا کو اور ہراساں کیا۔
”ہاں ان مشھو صاحبہ سے کہہ دو کسے۔“

”میرا نام معطر ہے، معطر ہمایوں۔“ ترتختے لمحے میں
اطلاع دی گئی۔ اس نے لمبا سائس چینچ کر فضامیں سے
کوئی مرکا احساس اندر اتارا۔ جیسے اس کے نام کے لیے
سے ارتعاش نہیں ہوا اس کو معطر کر دیا ہو۔

”یام جو بھی ہے، کام تو آپ نے ایسا کیا ہے کہ
جو اب طلبی ہر حال میں ہو گی۔ کل دن کو دس سے بارہ
کے درمیان میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔“

جو اباً ”اس نے سرایے جھٹکا تھا گویا اسے کسی بات
کی کوئی پرواہی نہ ہو۔ اس کی فتنہ ہوئی رنگت البتہ کچھ
اور کہہ رہی تھی اور وہی ہوا کافی انتظار کرنے کے بعد
جب بارہ بجنے میں مخفی پارچے ہی منت رہ گئے تھے اس کا

ایک بچے سے لے کر دو بچے تک لاوَنچ میں فون کے
زندیک نیم دراز وہ چینل سرچنگ کرتا رہا لیکن نیل نہ
ہوتی۔ (لگتا ہے میاں مشھو کی ٹیکنیک میں بند ہو گئی)
سارے کس بل نکل گئے ایک ہی نظر میں)
”کس کے؟ اس کے یا تمہارے؟“ اندر سے سوال
گونجا تو وہ مسکرا اٹھا۔

◆ ◆ ◆

مندی والے دن لاکیاں جن دو کوشرز میں سوار
ہوئیں، ان میں سے ایک کی ڈرائیورنگ کافر اپنے اے
سونا چیا۔ بالآخر گرین شیفنون کے مقیش سے سچے لہنگے
اور میرون گلری کی ذہل بیولی کے ساتھ نالی اینڈ ڈالی۔
اور گونے سے سجا بردا سا وہ اور ٹھیک سلوو جیولری اور
میرون شینڈا میک اپ کے ساتھ وہ تمام لڑکیوں میں
نمایاں تھی۔ حالانکہ اورہ در جن لڑکیوں نے اس وقت
اسی طرح کا لہنگا پہن رکھا تھا لیکن اس کی چھبی
زالی تھی۔

مران نے محسوس کیا کہ اسے ڈرائیورنگ سیٹ پر
بیٹھنے دیکھ کر اس کے بڑھتے قدم تھم کے نئے تھے۔ کچھ
تذبذب کے عالم میں کھڑی دوسرے سرخ رہنے کی وجہ سے اسی جو
پسلے ہی اور تھے جو ہرگز ایک دل سے بخوبی تھی۔ اتنی
ہی دیر میں لا سری ہو شریں اگر نہ ہونے تو جلد نہ
رہی۔ مران نے اسے براہ رکی سیٹ پر جھرے مندی
کے تھال کو دیکھا اور جیکچے روائی وہ میں جو بھی بیٹھی ہیں
کو آواز دی۔

”بینا! تم آگے آ جاؤ اور اگر کوئی اور بھی رہتی ہے تو
اسے بھی لے آؤ۔“ اسے بالکل قریب اکیلے بھٹھانا خود
اسے بھی میغوب لگ رہا تھا اس لیے بینا کا سہارا لیا کہ
وہ تو بالکل اس کی پھولی بھنوں جیسی تھی۔

”میم۔ میں میں بھیا۔“ بینا کترائی کترائی سی پھر
رہی تھی۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ مشھو کی شرارت
میں وہ برا بر حصہ دار تھی، ایسی لیے راز کھل جانے کے
بعد اس سے بچتی پھر رہی تھی۔

”اتنی محنت سے سجا یا تھال خراب نہ ہو جائے۔“
اس نے غدر پیش کیا۔

فون آگیا۔

”پلیز ہم سے غلطی ہو گئی۔ آپ کسی کو بتائیے گا
مت۔“ چھوٹتے ہی پہلی بات اس نے یہ کی۔ لمحہ
انتہائی التجا آمیز تھا۔

”آپ نے فون کرنے کا کہا، میں نے کر لیا حالانکہ
یہ میرے لیے انتہائی مشکل مرحلہ تھا پھر بھی میں نے
صرف اس لیے کیا ہاکہ آپ اب تو اس غلطی کو معاف
کر دیں۔“

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں آپ کو دھمکا ہرگز
نہیں رہا اور نہ ہی آپ کو بیک میل کرتے ہوئے فون
کرنے پر مجبور کیا ہے۔ میں تو صرف اس سارے قصے
کی وجہ جانا چاہتا ہوں۔ مینا مجھے کافی عرصے سے جانتی
ہے۔ مجھے اپنے بھائی کا درجہ بھی دیتی ہے۔ اس کا اور
میرا ملکے مذاق کا رشتہ بھی بتا دے اگرچہ اس قسم
کے بے ہودہ مذاق کا نہیں، پھر بھی۔ مگر آپ نے کیا
سوچ کر مجھے اپنے مذاق کا نشانہ بنایا، ایک انجان آونی کو
ٹنگ کرنے کی غرض سے آدمی رات کو فون کرتے
ہوئے آپ جھجکیں نہ گھبرا عیسیٰ اور اس بیوی کیے ایک
مشکل مرحلہ ہو گیا بتائیے؟“

”پہلی بات تو یہ کہ آپ شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔
آپ کو فون کرنے کے پیچھے نہ تو مینا کی شرارت کا ہاتھ
ہے نہ، ہی میرا کوئی مذاق کرنے کا ارادہ تھا۔ ہم دونوں
نے آپ کو فون کسی غلط مقصد کے تحت نہیں کیا تھا۔
اس وقت میری نیت کچھ اور تھی، میرے دل میں کسی
قسم کا غلط خیال نہ تھا۔ اس لیے آپ سے بات کرتے
ہوئے جھجکی نہیں اور اب صرف آپ کے مجبور
کرنے پر یہ قدم اٹھا پا ہے تو ظاہر ہے کٹشی تو فل، ہویری
ہے۔ تب میں اکیلی نہیں پھی۔ میرے ساتھ مینا تھی،
روانی، بُلی اور فرمی بھی تھیں۔ ہم چھپ کر کوئی کام
نہیں کر رہے تھے اور آج میں اپنے گھروالوں سے
چھپ کر آپ کو فون کر رہی ہوں صرف اس ڈر سے کہ
آپ ہماری بے ضرری حرکت کو غلط رنگ دے رہے
ہیں اور کہیں اسی غلط انداز میں سب کے سامنے پیش
نہ کر دیں۔ آپ ماں یا نہ ماں لیں آپ کی بُریں واشنگن

دھمکانے والا ہی تھا۔“ سارہ سے لمحے میں اتنی سچائی
تھی کہ میران کو یقین کرتے ہی بُنی۔
”مانایے لیکن کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کے
اور مینا کے دماغ میں کیا سما یا تھا۔“ اصل حقیقت تو وہ
اب بھی جانا چاہتا تھا۔

”اس روز شاپنگ کرتے ہوئے مینا نے آپ کی
منگیتھر کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ مختصر سی علالت کے
بعد بڑی کم عمری میں وفات پا گئی اور یہ بھی کہ چھ ماہ
گزرنے کے بعد بھی آپ خود کو اس صدمے سے
نکال نہیں سکا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ راحت بھی بھی
خاصی کوشش کر رہے ہیں آپ کو زندگی کی طرف
دوبارہ لانے کی لیکن آپ ہیں کہ جوگ لیے بیٹھے
ہیں۔“ خاصی صاف گولی کے ساتھ اس نے بتایا۔

”اچھا تو جو گی ایسے ہوتے ہیں، دیل ڈریں،“ کہیں
شیو۔“

”آپ مجھے کیا پتا، مینا نے تو یہی بتایا تھا پھر آپ کا
رویہ بھی ایسا ہی تھا۔ دردناک گانے سے جارہے تھے
وستوں کی محفل بار بار چھوڑ کر آپ تاریک گوشے
تلائیتے پھرتے تھے۔ منتہ بولتے تو آپ کو میں نے دیکھا
ہی نہیں۔ اس لیے یقین کر لیا اور سچی بڑا افسوس بھی
ہوا۔ ویکھیں ناں، جانے والے تو چلے جاتے ہیں، بُس
یادیں رہ جاتی ہیں، ان کو دل میں تو بسایا جا سکتا ہے مگر
دل بھلا کیا تو نہیں پہنچا سکتا۔“ اس کی باقیں کھٹ سے
میران کے دل پر لگی تھیں۔

”واقعی دل یادوں سے کب بھلتا ہے بھلا اور یادیں
ہیں بھی کتنی؟“ اس نے سوچا۔

”یادوں کے سارے زندگی نہیں گزرتی۔“ وہ بولتی
رہی۔

”ماشا اللہ کس فلم کے ڈائیلاگ ہیں۔“ اس کے
دل جلا دینے والے ریمارک پیو وہ چڑکئی۔

”کیا مطلب؟ آپ مذاق اڑا رہے ہیں میرے
خلوص کا۔ ہم سب نے تو محض ہمدردی کی نیت سے
بڑے خلوص کے ساتھ آپ کا عم ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ یہی
سوچا تھا وہ چار فون کالز کے ذریعے آپ کی بُریں واشنگن

اپنی بہوؤں کی دل آزاری منظور نہیں اور میں بتا میں میں کیسے نہ سکتا ہوں، بول سکتا ہوں۔“

”واقعی؟ عجیب سی بات ہے یہ تو۔ آج کل ایسا ہوتا ہی کہاں ہے؟“ وہ مہران کی فیملی کے خلوص سے متاثر ہو گئی۔ ”ساس سر اور بہوؤں کے مزاج کا اس درجہ احساس کریں؟ کتنا اچھا لگ رہا ہے سننے میں ہی۔ یقیناً“ آپ کے امی اور ابو بست حساس دل کے مالک ہیں لیکن انہیں اپنی بہوؤں کا غم باشنا چاہیے نہ کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور آپ ایسے کیوں بنے پھر رہے ہیں۔ کیوں خود کو مجرم مجرم سامحوس کرتے ہیں اپنی بھا بھیوں کے سامنے، خود بھی مسکرا میں اور انہیں بھی ان کی مسکراہست واپس لوٹا میں۔ اس میں ڈرنے جھوکنے کی کیا بات۔“

وہ اس کے اتنے صحیح تجزیے پر خیزان ہوا تھا۔ یہ سب تو اس نے معطر کوتیا بھی نہیں تھا۔ واقعی وہ کھل کے جینا چاہتا بھی تو کسی نہ کسی بھا بھی کو سامنے دیکھ کے چور سا بن جاتا۔ اسے لکھا جیسے وہ دل، ہی دل میں گلہ کر رہی ہوں کہ ”عمران اتنی جلدی۔ اتنی جلدی تم ہماری نور کو بھول گئے۔ اتنی جلدی۔“ اور اس کے لسب سکڑ جاتے، دل مر جھا جاتا۔

”بپتیں پچیس سال کے ساتھ کے بعد جب کسی کی بیوی مر جاتی ہے تو میں نے اکثر کوچندہ ہی دنوں کے بعد دوسرا بیاہ رچاتے بھی دیکھا ہے اور کوئی انگلی تک نہیں اٹھاتا۔ آپ نجانے کیسی طبیعت کے ہیں کہ۔۔۔“ وہ نجانے تعریف کر رہی بھی یا اطنز۔

”میں بس ایسا ہوں، مجھے ہمیشہ اگلے کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی کیا سوچ رہا ہے، کیا سوچے گا، فلاں کو کیا لے گا، فلاں کیا محسوس کرے گا۔“

”فی الحال تو مجھے یہ فکر زیادہ ہو رہے کیونکہ میری فون کال خاصی لمبی ہو گئی ہے۔ ابھی کسی نہ کام سے کوئی مجھے ڈھونڈتا آئے گا اور پہلا سوال یہی ہو گا کہ کسے فون کر رہی ہو۔“

”اور تمہارا جواب کیا ہو گا؟“ بڑے نامحسوس طریقے سے وہ آپ سے تم پر آگیا۔

کریں گے، زندگی کی قدر کرنا سکھائیں گے اور زندگی سے محبت کرنا بھی۔“

”ہاں محبت کرنا تو تم نے سکھا ہی رہا۔“ اس نے دل، ہی دل میں سرگوشی کی۔

” بتائیے اب تو آپ کو یعنی آگیا کہ یہ کوئی اوچھا مذاق نہیں تھا۔“

”چلیں مان لیا لیکن آپ کیا سوچ کر مجھے سدھارنے چلی تھیں۔ بینا کا مجھے سے کوئی اعلق نہ تھا ہے لیکن آپ تھف اس بے وقوف لڑکی کی باتوں میں آکر اتنا بڑا قدم اٹھا۔ میں تھیں۔ ایک انجمن شخص پر اعتبار کرنا سرا سر بے وقوف ہے۔“

”لیکن میں نے بتایا تو ہے کہ میرا مقصود۔“

مہران نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ضروری نہیں کہ جو جیسا نظر آ رہا ہے ویسا ہی بہ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دوسرے اسی کے بارے میں جو اندازہ لگا کر آپ کو بتائیں وہ درست ہی ہو۔ ماہ نور ایک بست اچھی لڑکی تھی، بالکل ایسی جسے کوئی بھی شخص اپنی بیوی کے روپ میں ریکھنا پسند کرے گا۔ ہماری ملنکی مکمل طور پر ایسی تھی۔ کوئی عشق و غماشتی کا چکر نہیں تھا اور نہ ہی ملنکی کے بعد کوئی ایسا سلسلہ چلا جسسا کہ آپ سمجھ رہی ہوں گی۔ لیکن میں خوش تھا، مطمئن تھا اور مجھے ہونا بھی چاہیے تھا۔ ماہ نور میں کوئی کمی نہیں تھی اور پھر وہ میرے پورے پورے گھر لئے کی مشتری کہ پسند تھی۔ اس کی اچانک موت واقعی اتنی ساختہ تھی، پیب کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی۔ وہ ایسی لڑکی تھی معطر کہ اگر وہ میری ملنکی ترہ ہوئی تب بھی یہ حادثہ میرے دل پر اثر ڈالتا اور شاید مینا نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ میری ایک نہ دو پوری چار عدد بھا بھیوں کی چھوٹی اور چھیتی بہن بھی تھی۔

ان چاروں کا وجود مجھے ماہ نور کو بھلانے نہیں دیتا۔ ہمارے پورے گھر پہ بچھلے کئی ماہتے سو گواری چھائی ہوئی ہے۔ میں میری ایسی جان اور ابی جان کھل کر مسکرا بھی نہیں سکتے کہ کہیں ہماری بھا بھیوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ ان کا دکھ ہمارا دکھ نہیں ہے۔ انہیں ..

وہ جان گیا تھا کہ جب جب بھی وہ اسے ملی اور جتنی بار بھی ملی پہلے سے کہیں بڑھ کر دلکش اور منفرد محسوس ہوئی۔ ہر یار اس کا وید ارائیک نیا احساس مل پہ شبت کرتا تھا۔ پہلی بار میں ہی اس نے میران کو چونکا دیا تھا، جنجموڑ کے رکھ دیا تھا۔ ”تجانے حسن یار آج کیا غصب ڈھانے والا ہے؟“ وہ سر اٹھا کے ہال میں موجود سینکڑوں لوگوں میں سے ایس ایک کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ولیمہ کی تقریب میں تھاں میں تھی۔

”ایک سیکوزی۔“ پشت سے آتی مانوس آواز پہ دھچوک کے پیٹا۔ ایک سنبھل رہا تھا میں بالکل جدا انداز لیے وہ اس کے بالکل بیچھے کھڑی گزرنے کا راستہ مانگ رہا تھا۔ میران نے ایک نظر ہال میں بیٹھے لوگوں کی گھما گھمنی اور منصوب فیض پہ ڈالی اور مزید پھیل کر کھڑا ہو گیا، پھر یوں کہ اندر جانے کا راستہ آدھے سے زیادہ بند ہو گیا۔ وہ سٹھنا تھی۔

نیکوں گواری لیے سلک کا جدید تراش کا سلاٹر اوزر اور شارٹ شرت کا سوت پہنے آج وہ قدر کے ماؤلک کے ساتھ سامنے آئی تھی۔ جیولری اور پیشوشاں میں بھی جدید انداز نمایاں تھا۔ میران نے اس کی خوبصوری اور زیانت کے بعد اب اس کی خوش ذوق کا بھی اعتراف کر لیا۔

”اس دن آپ نے میری بات سنے بغیر فون کیوں رکھ دیا؟“ اس نے پوچھا تو بغیر کھبرائے دیہ کہنے لگی۔ ”کیونکہ میری بات مکمل ہو گئی تھی اور آپ کی بات سننے کی میں یاد نہ تھی۔“

”ویل سیڈ، لیکن اس وقت آپ کی ساری احتیاط پسندی اور دورانی کیا جاسوئی تھی جب ہمدردی کے بخار میں آدمی رات کو آپ ایک انجان شخص کو فون کر رہی تھیں۔“

”آخر آپ بار بار اسی بات کا حوالہ کیوں دیے جا رہے ہیں۔“ وہ نرچ ہوا تھی۔ ”اب بس بھی یکھیے۔“

”اونہوں میں نے مان لیا کہ آپ کی نیت صاف تھی۔ اب آپ بھی مان یکھیے کہ آپ کا طریقہ کار غلط

”بس یہ دعا یکھیے کہ اس سوال کی نوٹ ہی نہ آئیں چھپانے کی تھوڑی سی بد دیانتی میں پھر بھی کروں گی مگر مجھے دھڑلے سے من پہ جھوٹ بولنا نہیں آتا اور وہ بھی ان لوگوں سے جو مجھے پہ خود سے بڑھ کے اعتبار کرتے ہیں۔ اس لیے خدا حافظ۔“ اس نے جواب سننے سے پیشہ ہی رسیور رکھ دیا لیکن اس کے آخری فقرے میران کے آس پاس دری سک گونجتے رہے۔

”تو محترمہ خدا ترسی اور ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر میری دیوانگی کا علاج کرتا جاتا تھا۔“

وہ دل میں خوب بنتا۔ ”تم مجھے دیوانٹا شوت اور جھوٹوں ناپ کا بندہ سمجھ کر مجھے سے ہمدردی کی سیستھن۔ عطا تو تم غلط تھیں، میں نہ تو جوگی تھا نہ تھی دیوان۔“

”اب“ مجھے عاشق ضرور نہیں رہا۔ اور وہ بھی اپنا۔“

رات کو شادی کے موقع پر اس کی نیت پر ٹکڑے طرح اسے ہی تلاشی رہیں۔ بار استاد اٹھنے کے بعد وہ اسے دیکھ پایا۔ آپ دیاں تھرکنے کے کام اور سوت میں اپنی دیگر کمزوری کے ساتھ تو ہمیں دوسری کھوٹی کھوئی سی محسوس ہوئی۔ ساری شوئی جسے ہمیں ایک دن میں لوٹ کر لے گیا تھا۔ شاہزادے پر ہھر زیر تھی زلفیں چھرہ دو نوں اطراف تھے دھانپتی ہوئے تھیں۔ اس نے پہلی بار اسے ٹکڑے باہوں کے ساتھ دیکھا اور سر اپنے بغیر نہ رہ سکا تھا، بلاشبہ بے حد حیرت اور دراز گیسو تھے۔

تقریب کے دوران وہ ایک بار میران کی نظر اس سے ملی بھی تو تجانے کیوں وہ رخ بدل گئی۔ اس کا گریز اور اجتناب میران کی بے قراری اور سوا کر کیا۔

اگلے دن ولیمہ کی تقریب و پیر کو تھی۔ وہ صبح سے ہی تیرہ کیے بیٹھا تھا کہ اس سے دو ٹوک بات کر کے رہے گا۔ بے شک وہ راحت کی فرست کرن تھی لیکن شادی کے بعد نجات اس سے دوبارہ سامنا کب ہو سکے اگلے رابطے کے لیے اسے آج ہی کوئی نبیل نکالنی تھی۔ اس کا سامنا کرنے کے لیے اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔

تھا۔

”چھامان لیا۔“ وہ عجلت سے بولی۔
”مینا کے کان پکڑ کر اسے سرزنش کرنے کا سحقاً رکھتا ہوں میں۔ اور آپ کیا تم مجھے کوئی حق دوں؟“ اس سے بات بن نہ سکی۔

”کان پکڑنے کا؟“ حیرت سے اس کی بڑی بڑی آنکھیں اور ٹھل گئیں۔
”دنیں بھی۔“ دراصل۔ ”وہ حقیقتاً“ پنل ہو گئی۔

”وہ اس دن تم نے کہا تھا کہ یادوں کے سارے زندگی نہیں کمزور تی لیکن تم پہ تو بتانا بھول، ہی گئیں کہ زندگی پھر کس سارے لزومی سے کیا۔ کیا تم وہ سارا بنو گی معطر؟“ اس کے لمحے کی گیہر تاپہ پلکیں گراۓ کھڑی معطر نظر اٹھانے پر مجبور ہو گئی۔ اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں میں ایک گدگدا تاسا جسم سارے جواب لیے ہوئے تھا۔ مران مطمئن سا ہو کے ایک طرف ہو گیا۔ پھر بعد میں اسے ایک کونے میں تھا پا کے چپکے سے کہہ آیا۔

”میں نہ دھمکی دے رہا ہوں نہ اتنا کر رہا ہوں۔ میں صرف سہیں بتا رہا ہوں کہ کل رات دس بجے میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔“

اور اس رات معطر کا فون آیا تو سی گمراہی وعدہ لینے کے آئندہ بھی وہ اسے فون کرنے کا نہیں کے گا۔

”میں خود ہی کبھی کبھار تھیں کال کر لیا کروں گی۔ اس وقت جب کھرپہ کوئی نہیں ہو گا۔ کسی کی موجودگی میں وہی خطرہ ہو گا کہ اگر کسی نے پوچھ لیا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گی۔ مران میں نے خود سے عذر کر کھا ہے کہ میں خود را اعتماد کرنے والے ہر شخص کامان رکھوں گی۔ میرا ایک جھوٹ اس مان میں دراڑڈاں دے گا مجھے لیکن ہے، تم کبھی ایسا نہیں چاہو گے۔“

اور اس نے بھی متاثر ہو کر وعدہ کر لیا تھا۔ بعد میں اسی میل کے ذریعے اور کبھی کبھی نیٹ چینگ کے ذریعے وہ دل کی باتیں کر لیا کرتے۔

آج کافی عرصے بعد اس کی فرماش پر وہ اپنا چہرہ

وکھانے پر رضامند ہوئی تھی۔ صرف یہی ایک طریقہ تھا جو معطر کے لیے کسی حد تک قابل قبول تھا۔ سخت ترین گرمی میں لمباراستہ طے کرنے کے بجائے وہ کافی کے قریب ہی ماموں کے گھر چلی آئی اور طے شدہ پروگرام کے تحت مران کو وہیں ہوتا تھا۔ اس کا ارادہ معطر کی ایک چھلک دیکھنے کے بعد واپس لوٹنے کا تھا لیکن براہوں اس بے قراری کا جو چھلک چھلک گئی۔ راحت نے اس کا بھید پالیا اور اب وہ اسے یونہی چھوڑ سکتا تھا جلا۔



راحت نے اس سے سب کچھ اگلوں کے ہی دم لیا۔ (یہ الگ بات کہ جسے وہ سب کچھ سمجھ رہا تھا، وہ کچھ بھی نہ تھا، مران نے جہاں تک ہو سکا و استان خاصی سنسر کر کے سنائی کہ بہر حال وہ معطر کا بھائی تھا، ماموں یا زادہ ہی سی۔ اس سے وہ اپنی وارداتِ قلبی کی تمام تفصیل بے تکلفی سے تو کہہ نہیں سکتا تھا۔)

”تو یہ چکر ہے۔“ اس نے کشن اسٹرنس کی طرح گول گول گھماتے ہوئے کہا تو مران کو سخت برا لگا۔

”ایک تو یہ لفظ ”چکر“ مجھے سخت معیوب لگتا ہے۔ اچھا بھلا شریفانہ سا تعلق مشکوک ہو کے رہ جاتا ہے۔“

”جو چیز چھپائی جائے، اس میں کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہوتا ہے۔“ وہ اپنی بات پر قائم تھا۔ ”تم مجھ سے اتنی پرانی دوستی کے دعوے دار ہو اور اتنی اہم بات مجھ سے چھپا کر رکھی۔“ مران کے حسبِ توقع وہ گلہ کر، ہی بیٹھا۔ اس کے پاس بھی جواب حاضر تھا۔

”یا را تو میرا دوست سی لیکن آخر تیرے گھر کی بات تھی۔ تیری کزن ہے وہ۔“ (اس نے جان بوجھ کر لفظ ”کزن“ استعمال کیا۔ خدشہ تھا کہ بہن کا لفظ اس کی غیرت کو جگانہ دے۔) ”ر تھا تم برائیہ مان جاؤ۔“

”ہاں۔ وہ میری کزن ہے اور تم میرے دوست ہو۔ میں اسے بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔“ میں بھی۔ برا لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ براتب لگتا جب میں

ماحول خاصاً دوستانہ سا ہے اور پھر وہ الکلوتی بیٹی ہے اس کی پسند وہ مسترد کر رہی نہیں سکتے اور ایسی صورت میں جب اس کی پسند تیرے جیسا بندہ ہو۔ تیری سب سے بڑی سفارش تو تو خود ہے اور دوسری سفارش میں ہوں۔ پھر فکر کا ہے کی۔“

”اور میرے گھروالے؟ ان سے نہ نہ کیا کم مشکل ہے۔“ اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ ”مجھے تو ایسا لگتا ہے، میں رندوا ہو گیا ہوں لیکن نہیں لوگ رندوں کو بھی عقد ہانی کا مشورہ دینے میں دیر نہیں لگاتے۔ میرے لیے تو لگتا ہے دنیا ہی حتم ہو گئی ہے۔ ابھی صرف اسی جی سے بات کی وہ تو سنتے ہی ایسے گھبرا میں جیسے خدا نخواستہ میں کوئی جرم کر بیٹھا ہوں۔ شادی کے بارے میں سوچ کر۔ الی جان سے مات کرنے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ان کی چمکچا ہٹ پہ میں کٹک سا گیا ہوں کہ ہونہ ہو کوئی گزبر ضرور ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے، کیمیں خدا نخواستہ الی جان مجھے ماہ نور کے نام پر عمر بھر کنوارا بھائے رکھنے کا رادہ تو نہیں کر جیشے۔“

”کیا بکواس کر رہا ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے کہنے پر ایک بار پھر خالہ جان سے بات کر کے دیکھ۔ تھوڑی ڈائیلاگ بازی اور ایکٹنگ سے کام لے پاپ۔ ماوں کو بیک میل کرنا تو بہت آسان ہے۔“

”وکوش کرتا ہوں لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ میری خاطر الی جان سے نکر لے سکیں اور رہے الی جان تو نجانے ان کے دل میں کیا ہے۔“ مران نے ایک بار پھر ای جان کا سارا لینے کا رادہ کیا۔



”آپ بات شروع تو کریں۔“ وہ ایک بار پھر شفیقہ خاتون کے سرپر سوار تھا۔

”کیسے کروں۔ کیا فائدہ؟ وہ ہرگز نہیں مانیں گے۔“

”کیوں نہیں مانیں گے۔ کیا ساری عمر مجھے کنوارا رکھنے کا رادہ ہے۔ اس سے تو اچھا تھا،“ مجھے ماہ نور کے ساتھ ہی ”ستی“ کر دیتے۔“

تمہارے بارے میں غیر مطمئن ہوتا۔ تم وقت گزاری کرنے والے بندے تو ہو نہیں جو میں تیخ پا ہوتا اور جہاں تک معطر کی بات ہے تو اس پر میں تم سے بھی کہیں بڑھ کے اعتبار کرتا ہوں۔ وہ کوئی غلط فیصلہ کر رہی نہیں سکتی۔ نوں نیور۔“ وہ نفی میں سرہلانے لگا۔ اس کی تھی تصدیق کے بعد مران کے دل سے بو جھ سر کا، وہ سک سا ہو گیا۔

”مجھے حیرت صرف اس بات پر ہو رہی ہے کہ ہم لوگوں کے اندازے کس قدر غلط تھے۔ ہم سب یا رتو سمجھے بیٹھے تھے کہ تو اپنی منگتیر کے عشق میں گوڑے گنوں سمیت عرق ہو چکا ہے۔ کیا ماہ نور کا خیال معطر سے ملنے کے بعد دل سے نکلا ہے یا پسلے ہی خیالات بدلتے شروع ہو گئے تھے۔“

”ماہ نور سے مجھے محبت نہیں تھی راحت! وہ صرف کم عمری کی محبت کا پہلا احساس تھی۔ محبت کا احساس ہونے میں اور واقعی محبت کرنے میں خاصاً فرق ہوتا ہے۔“ ”محبت کا یہ فاسدہ میری کجھ سے تو باہر ہے۔ مجھے تو سیدھی سادی باتیں ہنسی ہوتی ہیں۔ جسے کہ ایک دوسرے کو پسند کیا، مان پاپ تک بات پہنچائی، شادی کی اور اور اللہ اللہ خیر صلاد۔ میری مان تو تو مجھی محبت کے فلسفے رُنچھوڑ اور اسی لائن پر آجتا۔ بہت بہر گیا۔“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں یا۔“ اگر مجھے تو یہ نیا پار لگتی نظر نہیں آ رہی۔ کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اسی پوزیشن میں یہاں تک چلا آیا۔ خود کو بہت تھا تھا سا محسوس کر رہا تھا۔ پتا چلا کہ معطر آج تمہاری طرف آنے والی ہے تو سوچا کہ درجنہ یقین کرو، ایسے ستے اور اوچھے طریقوں سے ملاقاتیں کرنا نہ اسے پسند ہے نہ مجھے۔“ اس نے ایک بار پھر اپنی اور اس کی پوزیشن صاف رکھنے کے لیے تھوڑی بہت غلط بیان کے ساتھ کہا۔

”اوچھوڑ یا! میں کیا جانتا نہیں۔ مجھے یقین ہے اپنے یا رپے۔ اور یہ تو نے کیا کہہ نہیں لگ سکتی۔ جہاں تک مشہوکا تعلق ہے تو پھوپھی جی کے گھر کا

”کیا کر دیتے؟“ وزرانہ سمجھیں۔

”کبڑا؟“ وہ چلایا پھر امی کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کے تاثرات دیکھ کر دھماڑا۔ شرمندگی بھی ہوئی کہ کس کاغذ سے کہاں نکال رہا ہے۔

”سوری امی! دراصل میں۔ آپ سمجھیں پلیز۔“

الی سے بات کرنے میں آخر کیا مضاائقہ ہے۔ کم از کم ان کے دل کی بات تو باہر آئے گی۔ پتا تو چلے کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔“

”ویکھو جیا! تم جانتے تو ہو کہ رسول سے ان کا یہی خواب رہا تھا تو انہیں انتہائی تھے تھے تب سے انہوں نے اس خواب کی طلب تمام رکھی ہے ایک طویل عرصے سے جو دھمن ان کے سرپ سوار ہے، اسے ایک دم تو نہیں اتارا جاستا۔“

”یہ دھمن تو توبت ہی ختم ہو جائی جائے تھی امی جی جب ماد تو۔“ اس نے دھم بھرتے لفڑیا۔

کوئی انسان تقدیر سے نہیں لے سکتا۔ الی جان کو سب کچھ ان کے حسب منتظر نہیں مل سکتا۔ ان کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ طنابیں ان کے باٹھ سے چھوٹے چلیں ہیں۔ پوچھتے ہیں زندگی خود اپنے باٹھ میں لے لیتی ہے۔ ماد نور کا جانا اور معطر کامیری زندگی میں آنا بھی اس کا برا بثوت ہے۔“

اس نے امی کو الی سے بات کرنے کے لیے راغبی کر دیا۔ لیکن ان کے خدشے بھی بے بنیاد نہ تھے۔ شفیقہ خاتون خود کو ہر طرح کی دھمکی خبریات کے لیے ذہنی طور پر تار کرنے کے باوجود ہر کا کارہ نہیں۔

”کیا بواں ہے یہ؟ میران کی ہمت بھی کیسے ہوئی کسی اور جگہ سوچنے کی۔ کیا وہ جانتا نہیں میں اپنی اولاد کے بارے میں کیا فصلہ کر دیکا ہوں۔“ ”اور امید تو مجھے تم سے بھی نہیں تھی شفیقہ خاتون کہ تم سب کچھ جانتے بمحضہ ہوئے بھی اس کا مقدمہ میرے سامنے پیش کرنے چلی آؤ گی۔ کیا تمہاری نظر میں بھی میرے خوابوں کی کوئی وقعت نہیں ہے؟“ ان کے کڑک دار لہجے میں رفتہ رفتہ گھلتا ملاں انہیں پیشمان کر گیا اور وہ خود کو غلط نہ مانتے ہوئے بھی سرزنش کرنے لگیں۔

”جاو جا کر کہہ دو اس سے، چوبیں گھنٹوں کے اندر اندھیہ عشق کا بخار اتر جانا چاہیے، ورنہ علاج کے لیے مجھے خود کچھ کرنا پڑے گا اور وہ اپنی طرح جانتا ہے، میرا طریقہ علاج کیا ہے۔“ انہوں نے الماری کے پیچھے کئی سالوں سے سنبھال کے رکھی بید کی چھڑی کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا تو شفیقہ خاتون کامل ایک بار پھر لے ایمان ہو گیا، ان کی ہمدردیاں دوبارہ بیٹھی کی جانب منتقل ہو گئیں۔

”کیسی باتیں کرتے ہیں آپ خواجه جی! جوان بیٹھے کے ساتھ کیا لیے ہیں آیا جاتا ہے کیا انوکھا کام کر لیا ہے اس بنے، کون سا جرم کر دیا ہے اچھے گھر ان کی ایک سلیمانی ہوئی شریف بھی ہے، اس کے رشتے کے لیے ہمیں بھیجننا ہی تو جاہتنا ہے۔ اس میں بری بات کون سی ہے۔“

”جب وہ جانتا ہے میں اپنی بھوئیں سالوں پلے منتخب کر چکا ہوں یہ تو اسے اوہرا دھر نظر بھٹکانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دپدہ دلیری تو ویکھو، منہ پھاڑ کے اپنے رشتے کے لیے فرمائش بھی کرائی جا رہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا، اس گھر میں باہر سے کوئی لڑکی نہیں آئے گی۔ یہ میرا برسوں پر انا فصلہ ہے۔ آج کل کس گھر انے میں اس خوش اسلوبی سے چار چار بھائیوں کے لئے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ اُنے والی پانچوں بھوادریں ان چواروں میں سے نہیں ہو گی تو یہ تو بنا بنا یا گھر ڈانوا ڈول بھی ہو سکتا ہے بیگم۔ یہ بات اسے سمجھا دو۔ اس گھر کو گھر بنائے رکھنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ اسے اپنی ضد چھوٹی ہو گی۔“

”آپ کی ہربات ورست، لیکن تقدیر سے کون لڑکتا ہے، سب ویسا تو نہیں ہوتا جیسا ہم سوچیں۔“ بیٹھے کا پڑھایا تازہ بہ تازہ سبق دہرا یا گیا۔ ”اب اگر ماہ نور نہیں رہی تو کیا میران کو اپنا گھر بسانے کا کوئی حق نہیں ہے کیا؟ جب جیتا جا گتا انسان پل بھر میں سکتا ہے تو خوابوں کی بساط ہی کیا ہے۔“

”واہ بیگم۔“ انہوں نے تو صیغی انداز میں کہا۔ ”ساری عمریہ حسرت رہی تھی کہ بھی آپ کے منہ

جاتا۔"

"کاش ایسا ہی ہوتا۔" شفیقہ خاتون نے دل ہی دل میں سوچا۔ "ماہ گل کے لیے ایسا سوچنے سے قبل آپ اسے غور سے دکھ تو لیتے بمشکل تیرہ چودہ سال کی ہو گی۔ برانہ مانیں لیکن آپ کی اپنی بڑی پوتی ندا تقریباً" اس کی ہم عمر ہی ہے جسے آپ ابھی تک کا ندھے پڑھائے پھرتے ہیں، اگر کل کو کوئی اس کے رشتے کے لیے آپ سے بات کرنے آجائے تو؟ اور وہ بھی کسی ایسے لڑکے کے لیے جو اس سے عمر میں دو گنا بڑا ہو تو آپ کو کیا لگے گا؟" ان گاستاخانہ انداز خواجہ جی کو سخت ناگوار گزارا۔

"تم آج بست بڑھ چڑھ کے بول رہی ہو شفیقہ۔" ان کے پاس آخری حریب بس یکی تھا کہ وہ ڈانت کر انہیں حیپ کر دیں اور ایسا ہی ہوا، شفیقہ خاتونِ سُم سی گنکیں لیکن بدبد اکراتا کرنے سے خود کو روکنے نہیں۔

"آپ مجھے تو چپ کر دیں گے مگر آپ کے اس فیصلے پر اور کون ہے جسے اعتراض نہ ہو گا۔ اتنا بے جوڑ سارشتر ہے اور یہ تکا بھی۔ پھر میران۔ وہ تو ماہ گل کو اس حیثیت سے ہرگز قبول نہیں کرے گا خاص طور پر آپ جب کہ وہ کسی اور کو سنجیدگی سے پسند کرنے لگا ہے۔"

"اے اپنی پسند بدلتی ہو گی اور باتی سب کو بھی اپنے اعتراف پس پشت رکھنے ہوں گے۔ اس گھر کی بقا کے لیے یہ اقدام اب اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ ظاہری کی بات ہے اگر آخری بہوبالہ سے لاوں گاتو وہ خود کو اپر اور امحوس کرے کی۔ یہ چاروں سکلی ایک طرف ہوں گی اور وہ الگ۔ گھر میں دو محاذ کھلے ہوں گے۔ میں میران کی بستری کے لیے یہ فیصلہ کر رہا ہوں۔ اسے اپنی زندگی میں سکون اور امن چاہیے تو میری بات مان لے۔"



میران کے لیے تو ای جی کایہ نیا حکم تباہ کن تھا، باقی سب کے لیے بھی کم غیر متوقع نہ تھا۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ حیران تھے، آخر الی جان کو یہ سو جھی کیسے۔ خواجہ

سے بھی چار باتیں سیاں سن لیں لیکن بھلی کے روز بروز بڑھتے نرخوں لائن کے سوٹوں کے کچھ رنگوں، مسائلوں کے گھٹیا معيار اور ملائز میں کی آئئے دن کی چھٹی کے دکھرے رونے کے سوا آپ سے بھی کچھ نہ سنا۔ ماشاء اللہ آج تو بڑی مدرانہ گفتگو ہو رہی ہے۔" تحسین کے ححسنے مارتے مارتے اچانک انہوں نے پینترا بدلا۔ "لیکن عقل مندی کی باتیں کرنے میں اور دافتھی عقل مند ہونے میں بست فرق ہوتا ہے۔" اس طفرہ انداز پر وہ جملہ ہو کر رہ گئیں۔ واقعی یہ بڑی بڑی دلیلیں وہ کیسے دے سکتی تھیں بھلا۔ بس جو میران سے سنا دہرا دیا۔

"خواب بھی نہیں مرتے، انسان مر جاتے ہیں۔ میرا خواب ماہ نور نہیں بھی، وہ نہیں رہی مگر میرا خوابِ سلامت ہے۔ اس خواب میں آخری رنگ اب ماہ گل بھرے گی۔"

شفیقہ خاتون پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔ شوہر کی مزاج آشنا ہونے کی وجہ سے یہ موبوم سا اندریشہ ان کو کئی دنوں سے ہولا تو رہا تھا۔ خواجہ صاحب کی احمدیان بھری خاموشی اسی طرف اشارا کر رہی تھی لیکن پھر خود ہی وہ اپنے اس خیال کو بنتھلا دیتی تھیں۔ "نہیں نہیں خواجہ صاحب لاکھھ صدی اور جذباتی ہوں پھر بھی ایسا نامعقول خیال ان کے دماغ میں نہیں آسکتا۔" ان سے ہر طرح کی نامعقولات کی امید رکھنے کے باوجود وہ خوش گمان ہو جاتیں لیکن اب وہ نوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا تے ہوئے خواجہ خلیق نے ان کی ساری خوش گمانیوں کی ایسی کی تمی کر کے رکھ دی۔

"یہ یہ زیادتی ہے۔" کمزور آواز میں انہوں نے احتجاج کرنا چاہا جسے خواجہ صاحب نے فوراً ہی دیا۔ "لیکن زیادتی؟ کیا غلط سوچ لیا میں نے۔ اسے گھر کو گھر بنائے رکھنے کی خواہش رکھنا غلط کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی اولاد کو پیارِ محبت سے اکٹھے ہستابتا و یکھنا زیادتی کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو خدا کا کرم ہے، اس نے مجھے کسی امتحان میں نہیں دالا، ورنہ سوچو ماہ نور کے بعد اگر ماہ گل کا وجود نہ ہوتا تو میں کس قدر مشکل میں پڑے۔

فرق نہیں سمجھا اور آپ جانتی ہیں کہ ندا میری کیا ہے؟ وہ میری بٹی ہے۔“

اس کے قطعی لمحے پر شفیقہ خاتون چپ کی چپ رہ گئیں یوں بھی ان کو چپ، ہی رہنا تھا۔ اپنی بساطے کمیں بڑھ کے وہ پہلے ہی بول چکی تھیں۔ البتہ باقی سب خوب بڑھ بڑھ کے بول رہے تھے۔ سب ہی نے اپنا اپنا ردمحل الگ الگ انداز میں ظاہر کیا تھا لیکن سب سے عجیب و غریب رد عمل مسپارہ بھا بھی کا تھا۔

”الی جان کو کم از کم اب تو اپنی اولاد کو اعتماد میں لے لینا چاہیے تھا۔ اتنے سال شادی کو ہو گئے، بال بنے کچھ بھی قد کئے برایر آگئے لیکن اب بھی ان بھائیوں کی حیثیت اپنے الی کی نظر میں سنھے بچوں کی سی ہی ہے۔ اتنا برا فیصلہ چپ چپاتے ہو گیا، مشورہ لینا تو دور کی بات، کسی نے دھنگ سے الٹار دینا گوارا نہیں کیا۔“

”بھوؤں کی حیثیت توبہ بنے جب بیٹے خود اپنا مقام بنایاں۔“ حیرت انگیز طور پر مہ جبیں بھا بھی نے ان کی تائید کی اور کرنہ مزاجا ”دونوں ٹھالا“ جنوبا ”تھیں۔“ ”مجلوب ہو بھجھتے ہوئے نہ سی اس حیثیت سے ہی رائے لے لیتے کہ ماہ گل کا ہم چاروں سے کتنا گمراہ شدہ ہے۔“

مران نے خاصی ناگواری سے ان کا تبصرہ نہ اور مدد طلب نگاہوں سے لفمان اور عمران کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں لائلعی کے ساتھ فٹ بال کا میچ دیکھنے میں مکن تھے۔

”بال تو اور کیا؟ آخر کب ہماری حیثیت تسلیم کی جائے گی۔ ذمہ داریاں نہ جانے میں سب برابر کے شریک لیکن اختیار کی کے پاس بھی نہیں۔“ دونوں متفق ہو گئیں اور مران مایوس ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”فیصلہ مناسب ہے یا نامناسب؟“ اس سے کوئی غرض نہیں۔ بس یہ غم ستارہ ہے کہ انہیں لفٹ کیوں نہیں کرائی گئی۔ یہ سب سوچتا وہ بڑی بھا بھی کے پاس چلا آیا، امید بھی کہ وہ اپنی سمجھ داری کی بدولت شاید اس کا مسئلہ حل کرنے میں کوئی مدد کر سکیں۔ وہ ندا کو ہوم ورک کرا رہی تھیں۔ قریب ہی فرقان بھی کوئی

جی کی ہدایت کے پیش نظر گھر بھر میں یہ خبر پھیلانے کے بعد شفیقہ خاتون یوں شرمende شرمende کی گھیں جیسے اس نامعقول فیصلے میں ان کا برابر کا ہاتھ ہو۔ میران تو سن کر بند کی اٹھا تھا۔

”کمال کرتے ہیں الی جان،“ یہ نت نے تجربے کرنے کے شوق میں آخر کار وہ اپنی اولاد کا بیڑا غرق کر کے پھوڑیں گے۔ انہیں بتائی گئے کہ ان کے بیٹوں میں اور ان کے پاتوں جانوروں میں بست فرق ہے، ان کی اولاد اور ان کی اگھائی بزریوں کے تقاضے بالکل جدا جدا ہیں۔ تجربے کرنے کے شوق وہ ان ہی پہ پورے کر لیا گریں۔ باگڑو کو دو دھن اور مایاں کے بجائے انسوں نے نہ ناشتے میں جیسے تو س دینے کا تجربہ کیا۔ اسکوں دو کو ڈینا اور گوشت کھلانے کے بجائے بزریاں کھلانے کی کوشش کی۔ ڈو نالڈ کو اسی کمی دینے والی سے دور رکھا۔

ان کے اس بدت آمیز تجربات کا کیا رزلٹ رہا، باگڑو نے کھانا پنا ترک کر دیا، اسکوں دو اچھی بھائی پر امن نظرت بھلا کر ہر آنے جانے والے پر لکنے لگا اور ڈو نالڈ نے تجھے جمع کر گھر سرپہ انھالیا۔ جب ان کے الٹے سیدھے بھرپے بے زبان جانوروں نے قبول نہیں کیے تو مجھے سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ میں ایسی تابعداری کا منظاہر کروں گا۔ اگر بات صرف والدین کا حکم ہانے اور اپنی پسند کو اولیت نہ دینے کی ہوتی تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا لیکن۔

ماہ گل۔ آپ خود سوچیں۔ کوئی ذمی ہوش آج کے زمانے میں ایسی بات سوچ سکتا ہے۔ اگر معطر میری زندگی میں نہ آئی تو بھی یہ فیصلہ میرے لیے قطعی ناقابل قبول ہوتا۔ آپ الی جان سے کہہ دیجئے کہ بھلے سے آپ میری خوشیوں کی پرواہ نہ کریں، معطر کو قبول نہیں کرنا تو نہ کیجیے، مجھے منظور ہے لیکن میں صرف ان کی بے شکی فرمائش یوری کرنے کی خاطر ایک معصوم زندگی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔

میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری چھوٹی بہنوں جیسی ہے، ندا اور آمنہ کی دیکھادیکھی وہ مجھے چاچو کہ کرپکاری تھی اور میں نے اس میں اور ندا میں بھی کوئی

کیلکو لیٹر اور رسید بک سنبھالے کسی حساب کتاب میں مصروف تھے۔ ان نے ندا کو بہانے سے چائے بیانے بھیجا اور اپنا دکھڑا روئے لگا۔

”بھا بھی! آپ ہی بتائیے۔ الی جان کی ضد حائزہ ہے یا ناجائز۔ میں معطر کو پسند کرتا ہوں لیکن اگر ایسا کچھ نہ بھی ہو تو ان کا فیصلہ میرے لیے ناقابل قبول تب بھی تھا۔ کوئی تک بھی تو ہو کسی بات کی۔“
بھا بھی کچھ کہنے جاہی رہی تھیں کہ پسلے بھیانے قلم باقاعدہ رکھ کریاں دیا۔

”الی جان کو مادرت ہے بے تک جو زمانے کی۔“
بھا بھی کا چھردہ حوالہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔

”اس بات سے انہیں کیا غرض کہ کیا جائز ہے کیا ناجائز، کس کی حق تلفی ہو رہی ہے، کس کے ساتھ ماں صانی۔ بس ان کا برسوں پر اندا خواب پورا ہونا چاہیے۔ ان کے پانچوں بیٹے ایک ہی پیشہ ملے رہنے چاہیں۔ اب وہ کیسے رہتے ہیں۔ خوش یا پھر بخیر میں نے کہاں اس سے انہیں کیا غرض۔ ان کی مرضی کے مطابق ان کے بیٹوں کی بیویاں سکی بہنسیں ہیں اور حسب امید خاصے سلوک سے رہ بھی رہی ہیں۔ چلوان کو بھوٹیں تو من پسند مل گئیں، بیٹوں کو بیویاں من چاہی طیں یا نہ طیں۔“ بے حد طے ہوئے انداز میں کیا گیا یہ بصیرہ لقا بھا بھی کامارہ چڑھا گیا۔

”بیٹوں“ کا نام کیوں لیتے ہیں، صرف اپنی بات کریں۔ اتنے سال گزر گئے شادی کو، ابھی تک بچھتاوا ختم ہونے کو نہیں آرہا۔ بیوی کے سامنے جلدی دل کی بھاپ اڑانے کا کیا فائدہ، اتنے ہی ارمان پھل رہے تھے من چاہی دلمن کے تو اس وقت کیوں نہ اپنی مرضی چلا لی۔“

”ہونہی مرضی۔“ انہوں نے استہرا ایسے ہنکارا بھرا۔ ”یہ تمہارے سامنے تو کھڑا ہے“ ”مرضی“ والا، کتنی سنی جاہی ہے اس بیچارے کی؟ اور وہ تو وقت ہی اور تھا۔ اس زمانے میں تو الی جان کے ”بیکے“ ہی اور تھے، دم مارنے کا حوصلہ نہ تھا۔ بس سبے برے

چھے۔“ ”بس کیا کیجیے، بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ بیٹی کو ایک نظر دیکھیجیے۔“ شاید ہوش آجائے۔ ہر وقت یہی ذکر یہی روئے سن کر تک آگئی ہوں میں تو۔“ بھا بھی نے ہاتھ میں پکڑی کاپیاں بچے پختیں اور سخت عاجز آگر کہا۔

”صرف سن سن کری؟ میری ہمت کی دادو، دیکھ دیکھ کر تک آگیا ہوں بے روئی۔ بد رنگی اور بد مزاجی بھی۔“ انہوں نے چھوٹے بھائی کی موجودگی کا لحاظ بھی نہ کیا اور انتہائی خراب الفاظ میں اپنی بے زاری ظاہر کی جسے سن کر بھا بھی کے چہرے کا رہا سارنگ بھی اڑ گیا۔ اتنی تذلیل وہ برواشت نہ کر سکیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ مہران خود بھی دنگ تھا وہ نوں کے حالات دیکھ کر

بھیا کی بھا بھی سے بے زاری اور گریز روز اول سے سب پر عیاں تھا، یہ کوئی دھکی چھپی بات تو نہیں تھی لیکن اس طرح بھیا کو کھل کر یوں لئے دیکھ کر وہ حیران تھا۔ (پہ تو ان کی عادت نہ بھی) وہ کچھ کھٹک سا گیا۔

”پیغیز بھیا! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں اور سمجھ دار بھی، ہر بات کا اثر لیتے ہیں۔ ہر وقت کی نوک جھونک مناسب نہیں۔“ اس نے بھیا کی اچھی خاصی بدنی کو مرد میں نوک جھونک کا نام دیا۔ ”عمر کے اس دور میں آگر بروباری۔“

”کیسی عمر، کتنی عمر؟ اور میری عمر یا اس کی عمر؟“ بھیا بھٹک ہی تو اٹھے۔ ”میرا خیال تھا کہ تم پر یہ وقت آن پڑا ہے، اس لیے کم از کم تم تو میرا دکھ جان پاؤ گے لیکن نہیں۔ سب کی نظر میں بس اپنا مسئلہ ہی اہم ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے بڑی آسانی سے صبر اور

برداشت کے مشورے دے دیے جاتے ہیں۔“

”میں اسٹینڈ لے چکا ہوں اور جو دور آپ کیزار رہے ہیں۔ اس سے بچنے کی خاطر ہی یہ سب کر رہا ہوں۔“ میری نظر میں یہ اہم نہیں کہ میرا من پسند سا بھی مجھے ملے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ کوئی اور ہستی میری

اکلوتا دیور بھوک کا کس قدر کچا ہے اور خصوصاً "چھٹی" والے دن تو ناشتہ کرتے ہی ویپر کے کھانے کے لیے واویلا شروع کرتا، پھر میں گھس کر فرمائیں کی جاتی۔

"چلو چلو، خرے چھوڑو، کھانے سے کیا ناراضی بلکہ ہم سب سے بھی کیا ناراضی، شکایت تو صرف الی سے ہے پھر یوں گھر بھر سے منہ سجا سجا کر پھرنے کا کیا مرطلب؟"

"مجھے سب سے شکایت ہے۔ کون ہے جو میرا ساختہ دے رہا ہے؟ امی ہیں تو ہمارا مان کے بیٹھ گئی ہیں۔ بڑے بھیا کے پاس گیا تو بجائے میری مدد کرنے کے لیے پچھلے حساب کھول کر بیٹھ گئے الی جان سے،" الٹا بھاٹھی کی شامت آگئی، میرا مسئلہ وہیں کا وہیں رہا اور دونوں کا جھگڑا شروع۔ عمران اور تقام بھیا سے ڈسکس کرنا چاہا تو دونوں نے حسب عادت لائلقی اختیار کی، ان دونوں کا تو خیر ہمیشہ سے یہی و تیرہ رہا بہر کے ہر معاملے سے الگ تھلک رہتے ہیں جیسے کسی سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ بس اپنا آفس، اپنا کام، اپنی بیوی، اپنے بچے اور بھاٹھیاں۔ ان کی بات ہی زالی ہے، جانتی ہیں اس وقت انہیں کیا غم لاحق ہے کہ الی جان نے انہیں میٹنگ میں شریک کیوں نہیں کیا اور ان کا موقف ہے کہ جب کسی بات میں ان کی رائے طلب کی، ہی نہیں جاتی تو پھر وہ دخل بھی کیوں دیں۔ ہر طرف سے صاف انکار سننے کے بعد کیا بھی مجھے ناراض ہونے کا حق نہیں۔"

"ہر طرف سے؟ ہر طرف سے تو انکار نہیں ہوا۔ تم نے مجھے سے بات کی؟ اپنے چھوٹے بھیا سے ذکر کیا؟"

"آپ سے؟ مگر آپ کیا کرتیں آپ تو خود الی جان کیں۔" وہ بیجھی ہیں "کہتے کہتے رک گیا۔" جب امی جان اور بڑی بھاٹھی نے معدود ری طاہر کر دی تو آپ بھلا کیا تیر مار لیتیں۔"

"اور کچھ نہیں تو تمہیں تسلی دے دیتی، امید دکھا دیتی۔"

"اوہ، تسلی۔ امید۔ ہاں بھی خزانے

تاپسندیدگی کی بھینٹ نہ چڑھے۔ اگر آپ میں ہمت نہیں تھی اپنی منوانے کی تو اس میں بھاٹھی بچاری کا کیا قصور۔ وہ خود تو زبردست آپ کے سرپہ نہیں چڑھیں۔ اپنی بزدلی اور کم ہمتی کی بھڑاس ان پہ نکلنے کا کیا فائدہ؟"

"بھڑاس میں نکال رہا ہوں یا تم؟ تمیز تک نہیں تمہیں بڑے بھائی سے بات کرنے کی؟ اپنی اوقات میں رہو۔ پہلے اپنا کیس نہنا لو بھرا پیش بھاٹھی کی وکالت کرتے رہتا۔" فرقان آئینے میں انہی صورت دیکھتے ہی بدک گئے اور اسے مرے سے چلتا کر دیا۔ دروازے کے باہر سخن آنہمیں لیے ٹھیک بھائی کو دیکھ کر وہ نظر چڑھا بائزٹل ہے۔

"مہم۔" یہ انداز اور یہ تو از صرف پھول بھاٹھی کی تھی۔ وہ چیپ چاپ آنہمیں موندے لینا رہا۔

"مہم۔ کہا تا نہیں کہا گئے؟" وہ قریب چلی آئی۔ ابھی پہنچ مٹے اس نے رضی کے ذریعے کھانے سے صاف منع کرنے کا پیغام بھجوایا تھا لیکن وہ رہنہ سکیں اور خود پوچھنے پیش آئی۔

بھیش کی طرح وہ اس بار بھی ان کے سامنے مجبور ہو گیا اور آنہمیں سے بازو ہنا کر انہیں خفگی سے سکنے لگا۔ طویل ناراضی کا سارا بڑو گرام ترس نہس کر دیا تھا انہوں نے اپنے سیخے لبھ کے وارے سے

"رضی نے بتایا نہیں آپ کو۔" وہ روٹھار دھماسا بولا۔

"اوہ رضی نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے تمہاری پسند کی مسالہ بھری بھندی پکائی ہے اور قیمه میں شملہ مرچ بھی تمہارے لیے ہی ذاتی سے ورنہ اور سب تو آلو قیمه ہی شوق سے کھاتے ہیں۔ چلو انہوں شاماش سے باہر آؤ۔" میں گرم گرم روپی ڈالوں۔ "وہ بازو ٹھیک کرائے اٹھنے، آمادہ کرنے لگیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے، بالکل بھی نہیں ہے۔" مہ ناز نے رتی برابر تیکن نہ کیا۔ اس نے ناشتے پہ بھی خالی چائے کا کپ، ہی لیا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ ان کا یہ

ویر بعد آنے والا معطر کافون مزید مددگار ثابت ہوا۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ اپنے لمحے میں مخصوص بیانات پیدا نہ کر سکا جسے معطر نے فوراً "محسوس کر لیا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ بھے بھے لگ رہے ہیں۔"

"خیریوں تو مست کہو۔ مکمل بجهات نہیں ہوں بس زرا شمار ہوں۔"

"خیریت؟ یہ کس نے مزاج شریف کے شعلے پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی ہے؟" وہ ہنسنے لگی۔ "میرے الی جان نے اور کس میں استادم ہے" وہ سمجھیدہ ہوا تو معطر بھی چپ کر گئی اس کے والد کا ذکر سن کر

"کہیں یہ سب میری وجہ سے تو نہیں مہراں؟" وہ فکر مند ہو کری تو اسے لب کھولنے ہی پڑے۔

"او کم آن مٹھو۔" لاڈ میں آگرہ اسے اسی نام سے پکارتا۔ "میرے اور الی جان کے درمیان یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔ اب کوئی نہ کوئی تو گھر میں ایسا ہونا چاہیے جو آمریت سے تکریلے ورنہ حکمرانوں کی عادتیں مزید خراب ہو سکتی ہیں۔" اس نے لائٹ سے انداز میں کہا لیکن معطر کی حساس طبیعت اور بے چین ہوا گھی۔ "لیسی باتیں کر رہے ہیں آپ اپنے والد کے پارے میں۔ ٹھیک ٹھیک بتا میں۔ کوئی زیادہ بد تمیزی تو نہیں کی ان سے۔"

"دنہیں یا رسے۔"

"بھھے یار مت پکاریں۔" اس نے ناگواری سے ٹوکا۔ "ہاں اب آگے بتائے۔"

"محترم۔ بلکہ عزت ماب محترمہ معطر ہماں ہو صاحبہ! ناچیز نے اپنے والد بزرگوار سے کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کی۔ بنده صرف اقبال جرم کر بیٹھا ہے یعنی آپ کو پسند کرنے کا اظہار کیا ہے اور بس۔" ظاہر سی بات ہے جس گھر میں اولاد کا چوں کرنا بھی ناممکن ہو وہاں اگر کوئی سپوت باقاعدہ چال چال کرنے لگ جائے تو ایک دم جھٹکا تو لگتا ہے تاں پر سر اقتدار شخصیت کو۔"

بھرے پڑے ہیں آپ کے پاس تسلیوں کے، امیدوں کے بھی انہار لگے ہیں۔ لیکن صرف زبانی کلامی امداد سے کچھ بننے والا نہیں بیانات توجہ ہے کہ عملی طور پر کوئی قدم اٹھائے۔ اگر آپ الی جان کو ان کا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر سکیں تو نہیں۔ "اس نے چیزیں دیا۔ ظاہر ہے مہ ناز بھا بھی سے زیادہ الی جان کی تابع داری اور جی حضوری کرنے والا اور کون تھا۔

"کیا فیصلہ، فیصلہ لگا رکھا ہے۔ کون سا فیصلہ میرے منے بھیا؟ بھلا فیصلہ بھی کبھی یک طرفہ ہوتا ہے؟" وہ پراسرار طریقے سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب؟ ارے اتنے سالوں میں آپ جان نہیں پائیں۔ یہاں تمام فیصلے یک طرفہ ہوتے ہیں۔ اولاد کو پر اپیل سمجھ کر بڑی آسانی سے تمام معاملات نہیں ہاتے ہیں۔"

"ہاں مگر انی اولاد کے کسی کی اولاد پر کیا زور؟" "میں۔ یعنی کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟" وہ چونکا۔

"حصاف اور سیدھی بات ہے، یہ الی جان کا فیصلہ ہے لیکن اسے منتظری تو میرے اباجی ہی دیں گے۔ تم بات آگے بڑھنے تو دھمکی تسلی دیکھو اور تسلی کی وھار۔" مہ ناز کی بادامی آنکھوں میں شرارت نیڑ رہی تھی۔

"لیعنی آپ دو بدو آنے کے بجائے پس پر زورہ کر میری بدد کریں گی۔" وہ پر جوش ہو کر اٹھو بیٹھا۔

"ہاں لیکن اگر ضرورت پڑی تو سے درنہ مجھے امید ہے کہ اباجی خود ہی سمجھ داری کا ثبوت دیں گے۔ دراصل بہت سی باتیں ہیں جنہیں الی جان اپنی جذباتیت میں نظر انداز کر رہے ہیں، یہ سب میرے اور تمہارے بجائے اباجی انہیں بہتر طور پر سمجھا پائیں گے۔"

اس گفتگو کے بعد وہ وقتی طور پر مطمئن ہو گیا۔ اس نے سوچ لیا کہ شخ نواز حسین سے الی جان کی بات ہونے سے پہلے اتنا پریشان ہونا قبل از وقت ہے۔

اس کی طبیعت پر چھایا تکدر دور کرنے میں کچھ ہی

”اوں سے ہاں ہوتے تو ہیں۔“ کچھ سوچ کر اس نے ایمانداری سے جواب دیا۔ ”بلکہ شاید ہر روز ہوتے ہیں لیکن ویسے ہی جیسے بہت سارے بین بھائی اکٹھے رہتے ہوں تو گرمی سردی ہو جایا کرتی کے لیکن بھائیوں میں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ ہم روکھتے ہیں، جھگڑتے ہیں، ایک دوسرے کے لیے پریشان بھی ہوتے ہیں، ایک اڑرہی ہوں گی۔“

”ہاں یہی تو زندگی کا حسن ہے گلے شکوے کہاں نہیں ہوتے۔ بس انہیں انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے اور آپ کی بھا بھیاں کیا وہ بھی اتنی ہی فراخ دل ہیں۔“

”یہی ہی ہیں جیسے ہم بھائی ہیں، فراخ دل ہیں یا تنگ دل اس کا مجھے پتا نہیں۔ ایک ہماری بڑی بھا بھی ہیں مہ لقا صاحبہ۔ تم نے لقا کبوتری کا سن رکھا ہو گا۔ بس وہی کلف ان کی گردن میں بھی ہے اور یہی اکڑیے جو انہیں تھکان پہنچا رہی ہے ورنہ وہ ایک آئندیل قسم کی بہو مال، بس اور بھا بھی ہیں بس یہی اچھی نہیں بن دیا رہیں اپنے شوہر کی نظر میں۔ عمر کا فرق اتنا زیادہ بھی نہیں اور تین زمانہ تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں کسی عورت کے لیے کہ وہ اپنی عمر میں سے چند سال حذف کر کے اور زیادہ کم عمر دکھائی دے۔ لیکن اس میں شاید ان کی انا آڑے آٹی ہے یا پھر گھر بھر کا بوجھ اور ذمہ داریاں تن شنا بھانے کا شوق راہ میں رکاوٹ ہے۔ اتنے سارے کام زمے لے رکھے ہیں کہ خود پہ توجہ دینے کا وقت ہی کہاں بچتا ہو گا ان کے پاس۔ اس لحاظ سے دیکھوں تو بھی بھا بھیاکی ملخی جائز بھی لگتی ہے۔

دوسری بھا بھی مہ پارہ ہیں، لقمان بھیا کی بیوی۔ شیخ چلی کا زنانہ روپ سمجھ لو۔ منصوبے بنوں والوں سے جتنے مرضی اور ان پہ پانی بھی پھروں والو۔ آرام کرنا اور کرتے رہنا ان کا محبوب مشغله ہے، جس طرح خیالی پلاو پکانے میں ان کا کوئی مانی نہیں، اسی طرح ساری بھا بھیوں میں اولاد کے معاملے میں بھی وہ سب سے بڑھ کر خود کفیل ہیں اور دوبار تو اپناریکارڈ بہتر بنانے کی غرض سے انہوں نے جڑواں شاہر کار بھی پیش کیے۔“

اس کے انداز میں ہنوز لاپرواں تھی۔ درحقیقت وہ دانستہ اس پہ معااملے کی سگنی ظاہر کرنا نہ چاہ رہا تھا۔ ”کیا واقعی بات سیریں ہو گئی ہے۔“ مران کو اس کی آواز سے ہی لگ رہا تھا کہ اس کے چہرے پہ ہوا یاں اڑرہی ہوں گی۔

”نہیں بھی، ایسی خاص پریشانی والی بات نہیں۔ دراصل تم تو ہو اپنے پیرش کی اکتوبری اکتوبری صاجززادی۔ تم نے یہ بھرے پرے کنبوں والے مسائل کہاں دیکھے ہوں گے۔“ آج کیا پکے گا؟“ یہی روز مرہ کے مسئلہ پہ بھی ہمارے گھر میں دس دس آرا پیش ہوتی ہیں اور یہ بات بھی خاص الحاصل ہے۔ جتنے لوگ ہیں اتنے ہی مشورے۔ خیر سے چار تو میری بھا بھیاں ہیں، ای جان کی پسند اگ اور الی جان تو خیر ہیں، ہی سب سے زیادہ نکتہ چیز۔“

”نہیں مران، مجھے ڈر لگتا ہے۔ آپ میرزا یہی کوئی کوشش مت بیکھیے جس کے نتیجے میں اتنے لوگ آپ سے خفا ہو جائیں۔ جو آپ سے ناراضی ہو کر مجبوری کی حالت میں مجھے قبول کریں گے ان کے دل میں بھلا میرے لیے کتنی گنجائش ہو گی۔ میری حیثیت تو کمزور اور بودی ہی رہے گی۔ مجھے نہ عزت ملے گرنہ محبت۔ نجات کیا کیا برداشت کرنا پڑے۔“ اس کے آنسو پھلک پڑے۔

”بس یہی تو ساری بات ہے۔“ وہ جھینچلیا گیا۔ ”نه تم میری فیملی کو اچھی طرح جانتی ہونہ، ہی وہ نہیں۔ تم اپنے طور پہ اندازے لگانے کا کرنا میں ہو رہی ہو، مجھے اپنی پسند پہ غور ہے کہ تمہیں کوئی رنجیکت کرہی نہیں سکتا اسی طرح اپنے گھر والوں پر بھی یقین ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کر رہی نہیں سکتے۔ ارے میرے الی جان تو باقاعدہ سرپہ چڑھاتے ہیں بھوؤں کو۔“

”کوئی کھٹ پٹ، لڑائی جھگڑا پس پکھ نہیں ہوتا کبھی۔“ وہ مجھس تھی، جو اسٹ فیملی سسٹم کے تحت رہنے والے لمبے چوڑیے خاندانوں کے درمیان جاری فسادات اکثر سنتی رہتی تھی۔

ہی ڈونالڈ کی منت بھری قبیلے جیسے کہہ رہا ہو۔

”سانوں وی نال اپنے لے پھل دے۔“

اسے الی جان کے دامیں بائیں آگے پیچھے گھومنے کا بڑا شوق تھا لیکن اس کے اس شوق کی خاطر خواجہ صاحب کو چلنے میں اتنی اختیاط کرنی پڑتی گواہ پچھر بھرے راستے سے ائمتوں پیاؤں و ہمدردھر کے گزر رہے ہوں۔ اس وقت بھی چلنے کے اسی اشائل کی وجہ سے اور ڈونالڈ کو پڑنے والی جھاڑ سن کر مران پلے سے محتاط ہو گیا۔ اس نے معطر کو الوداعی کلمات کئے اور رسیور کھ کر بردا مودب سا ہو کے خبرنامہ دیکھنے لگا۔ نیوز ریڈر اس وقت موسم کے حالات سنارہ تھا۔

”یہ تم کیا لگا کر جیٹھے ہو جھوٹ کا ملینہ، وہ ذرا اشار پس تو لگانا۔“ دونوں پیاؤں اور پیچھے کر خواجہ خلیق الرحمن بڑی فرصت کے ساتھ صوفی پیجمگھے وہ جز بز ہو کرہ گیا۔ ESPN پیج لگنے والا تھا اور وہ باہر چانے کا پروگرام کینسل کرتے ہوئے صرف یہ پیج دیکھنے کے لیے بیٹھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ گھر میں صرف ایک لیٹی وی لی تھا۔ ہوشیں اپنے جیزیں بھی لی وی لے کر آئی تھیں لیکن ایک گھر میں بیٹیاں دینے کا شیخ صاحب کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کی سفید یوشی کا بڑی آسانی سے نباه ہو گیا تھا۔ مہ لقا اور مہیارہ کو ایک ہی لی وی ملا اور ایک ہی واشنگٹن میں۔ کافی عرصہ دونوں بھنیں مل کر کپڑے دھوتی رہیں اب دو تین سالوں سے الگ الگ دھل رہے تھے لیکن ایک ہی میں استعمال ہوتی، ایک دن مہ لقا لگا لیتیں، دوسرے دن مہ پارہ۔ یہی طریقہ لی وی دیکھنے کے لیے بھی راجح تھا۔

فرقان اور لقمان کو ملنے والے کروں کے آگے مختصر ہی لالی بھی اس میں لی وی رکھ دیا۔ مہ جیں اور مہ ناز دونوں کو بھی ایک ہی لی وی ایک ہی فرتیج اور ایک ہی واشنگٹن میں نمائادیا گیا۔ بیڑ روم فریچر البتہ سب کو الگ ملنے تھے۔ ان کے ذاتی استعمال کے فریچر کے علاوہ خواجہ صاحب نے مزید لینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تو یوں بھی جیزیں کے خلاف تھے۔ ضرورت کا سب سامان گھر میں موجود تھا۔ بڑے لاونج میں ان کا پناہی وی رکھا

معطر کی نہیں سن کر مران کو تسلی ہوئی، وہ یہ سارا اعماقہ تعارف اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے ہی تو کر رہا تھا۔

”اور ہاں یاد رہے کہ مہ پارہ بھا بھی کا پارہ بہت جلد اور بہت معمولی یا تو پہ بھائی ہے اور تیرے نمبر پر ہیں بھا بھی مہ بھیں۔ اپنے نام کے پچھے گھن ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پچھا اس کا زعم اور پچھھی یہ کہ سر جن صاحب کی الی ہیں۔ میرے ان بھیا کو خدا نے اب تک اولاد کی ثمت سے بھی محروم رکھا ہوا ہے اور میں ان والی بھائی کی لیے بھی ایک احتیاطی تدبیر ہے، میں نہیں لرمو۔ اسیں تقدیر چاہتے ہو جائز ہی کیوں نہ ہو پسند نہیں ہے۔ ان سے نیاں میں نہ صرف ودھ کی خواتین میں سب سے زیادہ عالمی یافت ہیں بلکہ خوش مران خوش شکل، خوش لباس اور خوش زوں بھی ہیں، ویسے سوچنے والی بات یہ ہے کہ اپنی ذات میں اتنے ”خوش“ بن کر لینے کے بعد بھی نجات کیوں وہ خوش نہیں رہتیں۔“

”اوہ لاست نہیں والی بھائی؟“ معطر کو بھی اس ذکر سے دیکھیں ہو گئی تھیں۔

”بال۔ وہ تو میری جسٹری یا و جر۔ مہ ناز بھا بھی یوں تو اٹھیں ناز پر دیا پھر نازگ مزاوج وغیرہ ہونا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اپنے نام کا الزاذ لیا۔ ان کی زندگی کا مقصود بھی دوسروں کے ناز خرے انجانا ہی اسکے جتنا جبران اور صرکی اور سرکانے میں ماہر، اتنا ہی یہ صلح کروانے میں ماحول ساز گارہ نہائے رکھنے میں پیش پیش۔ میں تو کہتا ہوں کہ خدا نے جبران کی ذات کے ازالے کی صورت میں یہ بھائی اس گھر میں بھی۔“ وہ ہنسا، حالانکہ جبران بے چارہ کوئی اتنا بھی ماہی نہ سستے نہیں تھا لیکن سب پچھہ بتاتے بتاتے مران اپنے بارے میں یہ اکشاف کرنا تو بھول ہی گیا تھا کہ اس سے بڑھ کے مبالغہ آمیز کوئی اور نہیں۔

”تو میرے پیچھے پیچھے، ہی لگا رہا کر، کسی دن ایسے ہی بیرون تھے آکر کچلا جائے گا بد بخت۔“ الی جان کی شہد میں ڈوبی ڈانٹ دوڑے سے ہی سنائی دے رہی تھی۔ ساتھ

یہی ہے نال ”کیونکہ ساس بھی کبھی بسو
تھی۔“

”اوہ، تم لگاؤ تو سی اس سے پہلے وہ ”کہانی گھر گھر
کی“ لگتا ہے۔“ ان کے بار بار کے اصرار پر نیچ آتے
ہوئے اس نے اپنا ناپسندیدہ چینل لگا، ہی دیا۔ اسکرین پر
بنارسی سائز ہی میں ملبوس ایک سانولی سی عورت قل
میک اپ کے ساتھ ہندڑیا میں ڈولی ہلا رہی تھی، اس
نے ادھر ادھر دیکھا اور پلو میں چھپا کے رہی زہر کی
شیشی کھانے میں انڈیل دی۔

”لائے ہائے، یعنی، لھنی“ تیرابیرا، ہی غرق۔ ”امی
جان بھی افسوس یہے ہاتھ ملتے آئیں۔ اسیں ہر
یمن پر بیلے لگ تبصرہ اور وہ بھی لا یو“ کرنے کی عادت
تھی۔

اگلے میں میں بڑی بھا بھی کے کسی جذباتی میں کی
داردیت ہوئے خواجہ صاحب نے جمایاں لیتے مران کو
مناطب کیا۔

”نیکوں؟ یہ بے راہ روی سکھائی جا رہی ہے؟ یہ
بھارتی ڈرامے خاندانوں کو مل بیٹھنا سکھا رہے ہیں،
قریانیوں کا درس دے رہے ہیں۔“ وہ بست بڑے قین
تھے ان سیریز کے اور اب بیٹھے کو بھی متفق کرنا چاہ
رہے تھے۔ ”یہ نہیں کہتا کہ ہندو معاشرہ ہم سے
بہتر ہے لیکن جو باشیں ہمیں اپنانی چاہیں، ہم سے یکہ
کروہ اپنا چکے ہیں۔“

”جی نہیں، آپ کا تجزیہ استادرست بھی نہیں،“ الٹا
ہم ان کا اثر لے رہے ہیں۔ یہ ان کا لکھرے وہی مہا
بھارت والا اور رامائن والا۔ مہابھارت میں کیا ہے،
خاندانی چیقلشوں اور فسادات سے بھری پڑی ہے،
پانڈوں نے کیا کیا نہیں کیا اپنے ہی خون کے ساتھ اور
وہ رامائن، سوتیلی ماں کی سازشیں، بھائیوں کے آپسی
اختلافات، یہ تو حال ہے ان کی مذہبی کتابوں کا۔
صدیوں سے یہی کچھ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک
چھت تلے رہنا ہے اور ایک دوسرے کی جڑیں کاثنا
ہیں۔ یہی سب کچھ ان ڈراموں میں ہوتا ہے۔ یورے
گھرانے میں کوئی ایک فرنچی پارہ سا ہوتا ہے، باقی سب

ہوا تھا جو کہ ان کے اور مران کے درمیان وجہ تازع
تھا۔ انہیں لمبی لمبی قسطوں تک حلنے والے ڈرامے
بہت پسند تھے اور وہ نیشنل جیوگر انکس، اسپورٹس
چینل یا پھر بھی کھار HBO یہ کوئی فلم رکھنا پسند کرتا
جو کہ الی جان کو ختم ناگوار گزرا تاب بھی مسلسل بربرا
رہے تھے۔

”ایک تو کیبل والے کو بول بول کر اسار پس کھلوایا
ہے، کم بخت رات کو پسند گھنسنوں کے لیے لگاتا ہے ورنہ
اس وقت لگنے والے سارے ڈرامے سکون کے ساتھ
دوسرے کو دیکھ لیا کروں، تمہارے ساتھ تجھ تجھ نہ کرنی
پڑے۔“

”جب حکومت کی طرف سے بھارتی چینلز رکھنے
پاپنڈی ہے تو کیا ضرورت تھی کیبل اپریشنر کو
ورغلانے کی۔ یہ ایک قانونی جرم ہے۔ آپ کا کیا
جائے گا، کسی نے شکایت کر دی تو اس غریب کا
لائنس ضبط ہو جائے گا۔ وہ بیچارہ کیا کرے، آپ یہ سے
کشہر دھمکیاں دے رہے کریے سب کرنے پر مجبور
کرتے ہیں۔“ اسے تو یوں بھی ان چینلز سے خار
تھی، بند ہونے پر سکون کا سانس لیا تھا۔

”میری سمجھ سے باہر ہے صرف ان چینلز کو بند
کرنے سے کیا حاصل؟ یہ فرنگی اور یہودی کوں سا
مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں، ان کی اونٹ پانگ فلمیں تو
بڑے شوق سے دیکھتے ہو؟“ انہوں نے اعتراض کیا۔

”ان کی فلمیں زیادہ تر تصوراتی ہوتی ہیں جبکہ یہ
ڈرامے سیدھا ہماری کھری ٹوپی زندگی پر اثر انداز ہوتے
ہیں۔ ان ڈراموں کے ذریعے وہ ہمارے لکھرپہ وار کر
رہے ہیں۔“

”خاک وار کر رہے ہیں، میں تو کہتا ہوں سدھار
رہے ہیں۔ اپنے ڈرامے اٹھا کر دیکھ لو، اسٹنگ، قتل
و غارت، خاندانی و شمنیاں، جرگے اور ان کے ڈرامے،
سیدھی سادی کھری ٹوپی کھانیاں، بیویوں کا ادب کرنا سکھا
رہے ہیں، مل جل کے رہنا سکھا رہے ہیں، لگاؤ تم
جلدی سے۔“ وہ بار بار گھری دیکھ رہے تھے۔

”ابھی آپ کے پسندیدہ ڈرامے میں کافی وقت

سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اس کا کیا مطلب؟ ظاہر ہے ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نامحمر مول سے الگ، خود مختار گھر مہیا کرے۔ سارے عرب ممالک میں بھی یہی سُسٹم ہے۔ وہاں کبھی ساس بھو وغیرہ کا مسئلہ نہیں اٹھا۔“

”دین، ہم سب کا بے شک ایک ہی ہے لیکن کچھ اثر لکھ رکابھی تو ہوتا ہے۔ عربوں کی یہی معاشرت۔“ خواجہ صاحب اس کے مدلل بیان کے باوجود ہمارانے پر تیار نہ تھے۔

”ویکھائیں دیکھائی بات معاشرت کی آہی گئی۔ یعنی آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بات کا تعلق نہ ہب سے نہیں معاشرہ سے ہے اور رہا لکھر تو سب جانتے ہیں، ہندوؤں کے ساتھ صدیوں رہنے کے بعد ان کا لکھر ہم میں برق بس گیا ہے۔ رہی سی کسر یہلا کٹ نے پوری کردی۔ جن رسموں سے نئی نسل نا آشنا تھی وہ بھی راجح ہو گئیں۔ میں تو ان ڈراموں میں دکھائے جانے والے لکھر اور رجحان کی بالکل بھی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔ یہ انسان کو کھل کر جینے اور فیر ہو کر جینے کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ زردستی نسلکرہ کر جینا سکھا رہے ہیں۔ لڑو، مرو سب اکٹھے رہو۔“ اس نے بات مکمل کر کے الی جان کی طرف دیکھا، خلافِ توقع وہ خاموش یہی بیٹھے تھے۔ چرے کی چمک ماند تھی اور نظریں تھکی تھکی۔

”شايد جوشِ جذبات میں آگر میں زیادہ ہی بول گیا۔“ اسے افسوس ہوا۔ سارے بھائیوں میں بس وہی ان کا سرچڑھا تھا اور بھی کبھار بحث و مباحثہ میں حد سے بڑھ بھی جاتا تھا۔ اب بھی اس کا مقصد انہیں چپ کرانا نہیں تھا، وہ خاندانی سُسٹم کا اس قدر مختلف تھا وہ تو بس یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ ان کی سوچ انتہا پسندانہ ہے، زور زردستی کے ذریعے، ان چاہے بندھنوں میں باندھ کر اولاد کی مرضی اور خواہش کو پس پشت ڈال کر بنائے گئے گھروندے اتنے بابرکت نہیں ہوتے۔ بس زور بیان میں کچھ زیادہ ہی شدت آگئی۔ شفیقہ خاتون نے بھی بیٹھے کو ملامتی نظروں سے نوازا۔

اس پر کرکس کے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جو آپ کا پسندیدہ سیریل ہے جس کے انتظار میں آپ بیٹھے ہیں۔ کنی کتی دیواریاں، جیھانیاں آگے سے ان کی بھی بموں میں کئی تسلیں اکٹھی رہ رہی ہیں لیکن ہر قسط میں کیا دکھاتے ہیں، سازشیں، چنیلیاں، عناء، بغض وغیرہ وغیرہ اس سے تو بستر تھا کہ یہ سب الگ رہتے، کم از کم گناہوں سے تو بچتے۔“ اس نے مفصل لیکھ دیا۔ الی جان نے جو الی گھوری ڈالی۔

”برخوردار امیں سب سمجھتا ہوں یہ سب کہنے سے تم سارے مقصود کیا۔ تمہیں اپنی نسل کے دیگر لوگوں کی طرح ذریثہ ایسٹ نگی مسجد الگ بنانے کے حق میں ہو۔ والدین کے حقوق سرے سے فراموش کر کے جو اسٹ فیملی سُسٹم کے خلاف مظاہرے کرتی ہے یہ نسل۔ سب دین سے دور کی کا نتیجہ ہے۔“ یہ طعنہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ مزید بحث سے احتراز لرتا بواہ اٹھ کے اپنے کمرے میں جانے کو تھا کہ پھر سے جنم گیا۔

”میں اور کسی کی بات نہیں کرتا لیکن کم از کم میں والدین کے حقوق سے بے بہرہ نہیں۔ حقوق العباد کی اسلام میں بڑی وضاحت ہے لیکن کمیں دیواری کے حقوق، جیھانی کے فرانس، دیور کے حقوق اور بھوکے فرانفس نہیں بیان ہوئے بلکہ میرے ہا قص نظم کے مطابق تو اسلام میں مشترک خاندانی نظام کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ وضاحت کروں کہ میں والدین کے ساتھ رہنے کو مشترک خاندانی نظام نہیں سمجھتا، وہ تو خاندان کا ہی ایک حصہ ہیں بلکہ غیا، جب دو سکے بھائی باروں سکی بہنیں شادی کر کے گھر پساتے ہیں، اپنے اپنے گھروں کی بیاندار کھتے ہیں، ان کے بال بیچ ان کا خاندان ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے خاندان کی گفالت کا خود زمہ دار ہے۔

محمود انگل سعودیہ اٹھاڑہ سال رہ کر آئے ہیں، وہ بتاتے ہیں وہاں بیٹھے کی شادی کرتے ہی الگ کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں سر، جیٹھ، دیور سب نامحرم ہیں اور عورت کو ان سے پردے کی ہدایت ہے اس کے ساتھ ساتھ گھر کی چار دیواری میں عورت کو پردے

"تو تم مل کے رہنا نہیں چاہتے، کھل کر جینا چاہتے ہو۔" فیشر ہو کسیہ اہم سب توبہ دیانت ہیں۔ اکھنے رہ کے ایک دوسرے کی جڑیں لاث رہے ہیں۔ سازشی ماحول ہے اس گھر کا ہوں۔ "انہوں نے جلد ہی اپنی کیفیت پر قابو پایا اور کڑک دار لمحے میں بیٹھے کے استفار کیا۔ اس کی ساری طراری ہوا ہو گئی۔ الی کے اس مودت کے آگے اس کی ایک منہ چلتی تھی۔ بنے چارہ گھنکیا۔ نے لگا۔

"الی جان مم۔ میرا منظہب یہ تو نہ تھا۔ میں تو نہیں۔ بس مثال دے رہا تھا۔ جنzel سی بات ہے۔"

"پنی مثالیں سنہمال کر رکھو۔ تم ساری تقریروں سے میرا ارادہ متزلزل نہیں ہوتے والا۔ میں نہ جو سوچ رکھا ہے، خدا کے فضل سے ہو کر رہے گے۔ میں ماہ نور کی بری کے انتظار میں تھا کہ گزر جائے تو بات بڑھاؤں لیکن تمہارے ارادے نہیں۔ نہیں بخوردار مجھے عملی قدم جلد اتنا ہو گا۔" یہیں سے میرا کرتاشلوار تو نکالا۔ "ماں بیٹا رونوں گھبرا گئے۔

"کیا کر رہے ہیں خواجہ جی۔ رات بست ہو گئی ہے۔ ایسے وقت کسی کے گھر جانا اور وہ بھی اس مقصد سے کچھ نامناسب ہے۔" "اکی جان نے بات بنائی۔ انہوں نے بھی وال گھاک پر ایک نظر ڈالی اور ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔

"ہاں یہ تو ہے لیکن کل صبح دس بجے مجھے ہر عالم میں وہاں جانا ہے۔ فرقان کو بتاریتا، مجھے لیتا ہوا جائے۔"

◆ ◆ ◆

صحیح صراحت کی بے چینی اس کے ہر عمل سے ہو یاد تھی۔ مہ ناز بھا بھی کی تسلی تشفی کے باوجود اس کا بس نہ چل رہا تھا کسی طرح الی کو انکل نواز کے گھر جانے سے روک دیے۔ اور سے الی کی تیاری اور اس کی جان جلا رہی تھی۔ سفید دوڑھ کلف زدہ کرتاشلوار کے ساتھ چمچاتی سیاہ چپل اور تو اور کلائی میں وہ گولڈن اسٹریپ والی گھڑی بھی باندھ رکھی تھی جو کہ تقریبات اور اہم

موقع کے لیے مخصوص تھی۔ انہیں ڈاٹنگ چیز گھسیت کر احتیاط سے کرتے کا دامن اٹھا کے بیٹھتے دیکھا تو اس نے اپنی گھبرائیت چھپانے کے لیے اخبار پھیلایا کر چہرے کے آگے کر لیا تین شاید ان سے یہ انداز برداشت نہ ہوا۔ اخبار کی پشت پر ٹھک ٹھک ہوتے سن کر بادل خواستہ اپنے چہرے کے تاثرات ٹھکانے پر لاتے ہوئے اس نے اخبار بیٹھ کیا۔

"جی الی!" حتی الامکان برخورداری لمحے میں پیدا کرتے ہوئے جیسے ہی نظر اٹھائی، ڈونالڈ ڈاٹنگ ٹیبل پر چڑھا اپنی چوچی سے اخبار پر دستکیں دے رہا تھا۔ الی کے آگے راٹھار کھتی مہ ناز بھا بھی کی ہنسی چھوٹ گئی۔ انہوں نے آملیٹ کا تقدیدی جائزہ چھوڑ کر ہموگھورا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"مجھ میں جی پچھے بیٹھے کو گھورا۔" اب سامنے جمل سے بیٹھے بیٹھے کو گھورا۔

"نہیں میں تو پچھے بھی نہیں۔" "آئیں ہائیں شامیں کرتا وہ ڈونالڈ کو کینہ توڑ نظریوں سے گھورنے لگا، جس کی مداخلت بے جانے یہ پھوٹن پیدا کی تھی۔

"کیا کچھ نہیں۔ ابھی ابھی تو تم نے مجھے پکارا۔"

"میں سمجھا تھا آپ نے مجھے پکارا ہے۔" اس نے بہت کلیں بہانہ گھرا، اب کیا بتاتا ہے خیالی میں وہ اس بیٹھنے کو سمجھی۔

"سبحان اللہ" کیا عالم بے خودی ہے، خیر میاں، میں بھی ہوش ٹھکانے لگانے آتے ہیں۔ "پراٹھے اور آملیٹ کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے انہوں نے کام پھر فرقان کو ناشتے سے اٹھ کر بریف کیس سنبھالتے دیکھ کر کھنے لگے۔

"رکو نیق، مجھے بھی تمہارے ساتھ چلانا ہے۔"

"لیکن گرمیوں میں تو آپ گھر پہ ہی رہا کرتے ہیں۔" "لکھ" فتنے پر بھیا جی بھر کے بد مزہ ہوئے

"تو کوئی آئیں تو ہیں بن گیا کہ سال کے آٹھ میں میں نظر بند ہی رہا کروں، گا اور بالفرض ایسا ہے بھی تو

ویسے بھی جبران سارہ بات تو کہی نہیں سکتا تھا۔
”مطلوب یہ الی کہ قصور کے آئے روز کے پھیرے
کوئی اور کمائی نہ رہے ہیں۔“

”تم نہ باز آنا ہوا یاں چھوڑنے سے ارے قصور
میں تو ہمارے کئی کشمکشیں۔ بنس ڈینگھوڑ کے لیے جانا
ہی پڑتا ہے۔ میں خود بھی جاتا رہتا تھا۔“

”ولیکن آپ ہفتے میں دو دن تو وہاں نہیں گزارتے
تھے اور آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں الی کہ اس قسم کی
ڈینگھوڑ میرا کام ہے۔ بھیا کے ذمے تو آپ نے آفس
کے اندر ولی معاملات لگا رکھے ہیں۔“ جبران کا انحصاری
نکتہ ٹھک سے خواجہ خلیق الرحمن کے ول پہ لگا۔
انہیں سورج میں پڑتا دیکھ کر وہ اور پر جوش ہو گیا۔

”میرے علم میں آج تک ان کی ایسی کوئی ڈینگھیا
میں نہیں آئی جس کا ذکر کر کے وہ سارا سارا دن
آفس سے غائب رہتے ہیں۔“

”ہوں گے ہے تو یہ یہاں ہی بچپن کی عادت
ہے چپ چپاتے کارنا میں انجام دینے کی۔ جتنا میں
کے باہر ہے اتنا ہی اندر ہے خیر تم پتا لگاؤ اور خبردار کوئی
شیطانی نہیں۔ تمہیں ٹھیک ٹھاک صاف والی میں بھی
کالا دانہ ڈالنے کی عادت ہے۔“ ہمیشہ کے وہی اور شکی
طبیعت رکھنے والے خواجہ صاحب کھلکھل ضرور گئے
تھے لیکن جبران کی لگائی بھائی کی عادت سے بھی واقف
تھے اس لیے تمہیش کرنا نہ بھولے۔



”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خواجہ صاحب؟“
شیخ نذر حسین صرف اتنا ہی کہہ پائے تھے لیکن ان
کے چہرے کے تاثرات پکار پکار کہہ رہے تھے

”آپ کاماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟“

”آپ سہیا تو نہیں کرے؟“

”آپ پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں؟“

”کیا آپ کی مت ماری گئی ہے؟“

”کہیں آپ کو باولے کتے نے تو نہیں کاٹ لیا؟“
ان یہ کے چہرے پہ ان سارے سوالوں کی جھلک اتنی
 واضح ہی کہ خود خواجہ صاحب گڑ برا گئے۔

آئین میں ترمیم کی گنجائش تو بہر حال رہتی ہے۔
(یہ الی بھی سکس قدر بحث کرنے لگ گئے ہیں)
مران نے غور کیا۔

”الی جان بچھے بھلا کیا اعتراض ہے آپ کے جانے
پر۔ ویسے نبھی مجھے آج ایک مینگ کے لیے قصور جانا
ہے، اچھا ہی ہے کہ آفس خالی نہیں رہے گا، آئیے،
آپ کو ذرا بکریا جاتا ہوں۔“

”آفس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، سالوں پر کہ
لینے کے بعد ہی یہ عملہ تمہارے حوالے کیا تھا، بے
شک ہے نکر ہو کر کیسی بھی چلے جایا کرو۔ مجھے تو
تمہاری سرال جانتے۔“

”دبال پے یا۔“ وہ چوتھے پھر کچھ خیال آیا۔
”اچھے جھلک اتھا۔“ لیکن اتنی صبح خیوب
میرے لیے آمشکل ہے۔ آفس تو رستے میں پڑتا ہے
لیکن دبال آپ کو ذرا بکری کے پھر قصور جانے کے
لیے نظر میں میرا پورا ایک حصہ ضائع ہو جائے گا۔ شر
کے دوسرے دوست میں وہ عنوانہ نکلا تھا آپ نے میرا
”سرال۔“ عمران سے کہہ دیں، آپ کو چھوڑ
آئے۔ بڑی ثابت میں کہتے وہ سلام کرتے ہی باہر کی
طرف بھاگے۔

جبران نے خاصے۔ حقیقتی انداز میں بھیا کو دیکھا۔ الی
بھی بڑے بیٹے کے صاف جواب پہلے جبران اور پھر
غصب تاک ہو گئے لیکن اتنی دریں میں وہ ان کی پیشج سے
نکل چکے تھے۔

”اچھا۔ دیکھا۔ اس حقیقت کو کیسے منہ
انشا کے نکل گیا۔ شاونی یہ پہلے اتنی ہی افرا تفری
اے سرال جانے کی ہوئی تھیں اب مجھے جانا ہے تو
سرال دور پڑنے لگا۔“

”ئے نے سرال کی اور بات ہوتی ہے الی!“
جبران نے پر اسرار انداز میں کہا۔ ”نیا سرال دور نہیں
پڑتا۔ بھلے شر کے دوسرے کونے پہ ہو یا پھر شر سے
باہر۔“

”کیا مطلب؟“ ٹیبل پہ موجود تینوں نفوس اس
کے سارہ الفاظ کے پیچھے پھپے مفہوم کو بھانپ کریو۔

آنکھوں میں حسرت اتنی نمایاں تھی کہ براہم سے شخچ نذرِ حسین بھی پیچ گئے۔ وہ خواجہ صاحب کی اس خواہش کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھے پہلے سے ہی جانتے تھے کہ اپنے بیٹوں یونگے لیے ان کی بیٹیوں کا انتخاب کرنے کی وجہ کیا تھی لیکن یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اینی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اس حد تک آگے چلے جائیں گے ان کا مقصد نیک سی لیکن یہ فیصلہ انتہا پسندانہ تھا۔

”میں معذرت کر رہا ہوں۔ آپ سے اتنے برسوں کے تعلقات ہیں۔ اگرچہ آپ سے رشتہ بڑا نازک سا ہے، بیٹیوں کا سہدھیانہ وابستہ ہے آپ سے لیکن سالوں پرانی دوستی کے ناتے اتنا کہنے کی ہمت کروں گا کہ ذرا جذبات سے باہر نکل کر حقیقت کی دنیا میں آکے دیکھیں۔ آپ نے کس قدر آرام سے کہہ دیا کہ آئھ تو کیا بارہ سال انتظار کر لیں گے۔ آپ یہ کیسے کہ سکتے ہیں خواجہ صاحب؟ یہ انتظار آپ کو نہیں کرنا، آپ کے بیٹے کو کرنا ہے ہمیں شکر کرنا چاہیے۔ اس دور میں بھی ہماری اولادوں نے اپنے مستقبل کی دو ریس ہمارے ہاتھوں میں تھمار کھی ہیں۔ لیکن اس اختیار کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ نیک تابعدار اولاد خدا کا عطیہ ہوتی ہے گیا اس عطیے کو صرف اپنی ذاتی خواہشوں کی تکمیل کے لیے ضائع کر دیتا چاہیے؟ اس بارے میں ضرور سوچیے۔“

وہ خواجہ صاحب پر سوچ کے کئی دروازکے وہ مران کو اچھی طرح جانتے تھے اور ماہ گل سے اس کی انسیت سے بھی واقف تھے۔ اس لیے صرف انکار پر اکتفانہ کیا بلکہ دوستی کا استحقاق استعمال کرتے ہوئے تھوڑی بہت گرد بھی صاف کی جو خواجہ خلیق الرحمن نے اپنی خود پسندی اور اختیار پسندی کے زعم میں دل و دماغ پر پھیلار کھی تھی۔

* * *

اگلے چند روز خاموشی سے گزرے۔ اگرچہ خواجہ خلیق الرحمن نے آنے کے بعد کوئی بات کی نہ کسی نے کریدا چاہا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سب

”بھی صاف الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ ماہ نور کی جگہ میں ماہ گل کو رینا چاہتا ہوں۔ یعنی اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے اب بھی آپ ہی کے گھرانے کے آگے طلب گار ہوں۔“

”یہ تو آپ کی محبت ہے خواجہ صاحب۔“ وہ متوضش تھے ”لیکن دیکھیں جی، محبت اس تدراندھی بھی نہیں ہوتا چاہیے۔“

”میں کیا مطلب؟“

”مطلب تو صاف ظاہر ہے۔ ایک تو مران بیٹے اور ماہ گل کی عمر میں آؤ ہو آرہ (دگنا) کافر ق اور رو سرا خود ماہ گل کی عمر۔ وہ تو ابھی ساتویں جماعت چڑھی ہے، گڑیوں سے کھلینے کی عمر ہے اس کی۔ شادی تو بہت دور کی بات ہے۔“

”شلا۔۔۔ کتنی دور کی؟“ وہ تحمل سے پوچھنے لگے

”تقرباً“ آئھ دس سال تک۔“

”تو ٹھیک ہے، ہم انتظار کر لیں گے، آئھ چھوڑیں بارہ سال تک کر لیں۔ اب تو آپ کا یہ اعتراض دور ہوئا چاہیے کہ اس کی گڑیوں کے کھلینے کی عمر۔۔۔ بارہ سال بعد تو یقیناً آپ اس کا یہ شوق چھڑواہی چکے ہوں گے۔“ ملکے چھلکے انداز میں اپنی راست میں انہوں نے بڑا نیسی مذاق فرمایا تھا لیکن تین صاحب کی سنجیدگی ہنوز برقرار رکھی۔

”آپ نے میرے دوسرے اعتراض پر غور نہیں کیا خواجہ صاحب۔ مران اور ماہ گل کی عمروں کے درمیان موجود کئی سال۔۔۔ یہ فرق بارہ سال بعد بھی جوں کا توں برقرار رہے گا۔ آج مران کے مقابل ماہ گل کا جوڑا ایک بچکانہ ساختاں لگ رہا ہے تو کل ماہ گل کے سامنے مران مضمکہ خیز لے گا۔ دس سال بعد آپ کا بیٹا چالیس سال کا ہو رہا ہو گا۔ میرا اعتراض تو تب بھی یہی ہو گا۔“

”یعنی آپ کو یہ رشتہ آپ انکار کر رہے ہیں۔“ بڑی بے یقینی سے کہتے ہوئے انہوں نے شکست خورہ انداز میں پوچھا۔ لمحے میں شکستگی اور

”انہیں کیا پتا کہ آپ کے دو کی طبیعت اچھی ہے یا بُری۔ آپ آجاتے میرے پاس۔ آپ ہی تو میرے ڈاکٹر ہو۔“ انہوں نے باگڑو کی چھٹی کرائی اور رضی کو گود میں بٹھایا۔

”اور میں نہ س۔“ آئینہ نے چھوٹا دوپٹہ سرپہ جمایا۔ وہ ابھی ابھی قاری صاحب سے پارہ پڑھ کے آ رہی تھی۔

بچوں کی بلکی پھلکی باتوں نے وہ کردھایا جو وہ سب کرتا چاہ رہے تھے مگر کرنہیں پارے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد خواجہ صاحب پہلے جسے موڈ میں آگئے اور سب نے اطمینان کی سانس لی۔ لیکن پھر بھی کسی کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی یہ ذکر چھھیر دیں گے۔ اس لیے اس وقت سب ہی ونگ سے رہ گئے جب رات کے کھانے پہ سرسری سے انداز میں انہوں نے بڑی بھوک مخاطب کر کے پوچھا۔

”مہ لقا! جھوٹے سے پوچھو، کون ہے وہ لڑکی، کس خاندان سے ہے، ذات برادری؟“ آپ اس سب کچھ کرنے کے لیے اپنے پتھر کے بعد میران نے کھنکھار کر کھنکنے کی رہت کی۔

”الی... وہ راحت کی کزن ہے۔“

”راحت راحت کون ہے؟“

”جی وہ راحت اسی کے گھر میں پہلی بارے میرا مطلب ہے، وہیں دیکھا تھا میں نے اسے۔“

”بست خوب۔“ خواجہ صاحب کا چہرہ تمٹمانے لگا۔ ”مجھے معلوم نہ تھا، آپ اتنے دل پھینک ہیں۔ پہلے مختصر مہ راحت سے راہ درسم بڑھا لی پھر ان کی کزن پہ ندا ہو گئے۔ میں پوچھتا ہوں اس بیچاری کا کیا ہو گا؟“ کیا گزرے گی اس بد تھیب پہ جسے چھوڑ کر اب تم اس کی کزن پہ لٹھو گئے ہو۔“

”کون بے چاری؟“ کون بد نصیب؟“ وہ ہونق تھا۔

”وہی راحت جو اس سے پہلے تمہاری منظورِ نظر تھی۔“

”لا حول ولا قدر“ اس کا جی مکدر ہو گیا۔ ”راحت میرا پر انداشت ہے الی کئی باریہاں آیا ہے بلکہ اس کی

لام تھے۔ وہ جہاں سے ہو کر آرے تھے وہاں کی ”چار کھڑکیاں“ خواجہ ہاؤس میں کھلتی تھیں جنہوں نے ایک ایک منظر سب کو دکھاریا، لیکن مصلحتاً سب خاموش رہے۔

میران کو جہاں اس سلسلے کے ختم ہونے کا احساس اطمینان بخش رہا تھا وہاں الی کی خاموشی اور اضطراب خلش میں بنتا کے دے رہا تھا۔ شفیقہ خاتون بھی ہمدردی سے شوہر کو دیکھ کر رہا تھا۔ سب چہار چاپ منتظر تھے کہ کب ان کے بیوی کا قفل نوٹے آخر تیرے روز شام کی چائے پر وہ باہر نکلے۔ مہ لقا بھا بھی جوان کے لیے رُنے میں چائے اور جلپی رکھ رہی تھیں، انہیں لان میں آتا رہا اور رہت پتھرے خالی کرنے لگیں۔ مہ نماز بھا بھی اندر رائی بیان کو اطمینان دینے بھاگیں۔ وہ بھی ان کی آہ کاشتھی و نظیفہ منتظر کرنے لگیں۔ الی کے بیٹھتے ہی اسکولی ڈرگیت کی رکھوالي چھوڑ کر کیا ریوں کے نزدیک آئیں اور انہیں دیکھ دیکھ کر دھڑکانے لگا۔

باگڑو نے بھی جست لگائی اور ان کی گوریں برا جمان ہو گیا۔ پورے تین روز بعد وہ کمرے سے نہ تھے چائے کے دوران ہی انی بھی شیخ زادتی ان کے برابر بیٹھ گئیں اور مہ جیس بھا بھی جو سطھن کی وجہ سے اکثر چائے اپنے کمرے میں منتلوالیا کرتیں، اپنا کپ ہاتھ میں تھا میں نکل آئیں۔ میران نہ لوتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا لیکن کوئی بھی اندازہ لگانے سے قادر تھا۔ ان کے چہرے پر ایک سپاٹ سا تاثر تھا۔

”دو، دو!“ رہنی بھاگتا ہوا آیا اور یچھے سے اپنے دادا کے گھٹے میں بانہیں ڈال دیں۔

”دو! آپ بیمار ہیں؟“

”نہیں ہیں۔“ انہوں نے پوتے کا ماتھا چوما۔

”تو پھر آپ دن رات آرام کیوں کرتے رہتے تھے میں جب بھی آپ کے کیاں جانے لگتا تھا، بڑی ماما روک دیتیں کہ دو کی طبیعت تھیک نہیں۔“ وہ تائی کو بڑی ماما کرتا تھا۔

رکھنے کا کہہ کر خود بھول بھال گئے بلکہ تازہ رونما ہونے والے واقعات نے یہ بات ان کے ذہن سے یکسر مٹا دالی۔ دیگر افراد بھی اس سرسری سے ذکر کو یاد نہ رکھ پائے، یوں بھی جبراں کی توعادت تھی ادھراً صدر کی پھیلاناسی لیکن اب اس نے جس وثوق سے یہ دھماکا کیا اس نے سب ہی کوہلا کر رکھ دیا، دیے بھی والا کہ گئی ہو۔ اتنی بڑی بات بغیر بے پر کے تو نہیں اڑا سکتا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ اگر جبراں نے مفروضات کا پھاڑ کھڑا بھی کیا ہو گا تو کہیں نہ کہیں تھے میں رائی ضرور ہو گی اور اس ذرے کی چیزیں ہی اتنی شدید بھی کہ سب یہ چیزیں ہو گئے۔ سب سے بڑی حالت بڑی بھا بھی کی بھی، وہ جلے پیر کی بی بی کی طرح شوہر کے انتظار میں پھرنے لگیں ان کی بھنخی ہوئی مشبویں، کچکچا تھے لبou، شرپ لپکاتی نگاہوں سے سب کو اندرازہ ہوا تھا کہ آج بڑے بھیا کی کیا درگت بنے گی اور ان سے بھی بڑھ کے نلمار ہے تھے خواجہ صاحب۔ میران بھی باقی سب کی طرح حیرت زدہ تو تھا لیکن دم بخود نہیں کیونکہ نجاتے کیوں۔ بھیا کی کسی ادا پر وہ پہلے ہی کھشک سا گیا تھا۔

بھا بھی سے انہیں لا تعلق دیکھنا تو معمول کی بات تھی لیکن اب کھلم کھلا بیزاری کا اظہاریہ اعلان بہت پسلے کر گیا تھا کہ اب ان کی نظروں میں کوئی اور بچتے لگا ہے۔

”بڑے بھیا قصور میں صبر یہ فیکٹری کی سپروائزر فریدہ مقبول عرف فیری میں دیپکی لے رہے ہیں۔ موصوفہ یہوہ مشہور ہیں۔ یہ الگ بات کہ عمر چھیس ستائیں سال سے اوپر نہیں لگتی اور رنگ ڈھنگ سولہ سترہ سال والی دو شیز اوں والے ہیں۔ ایک معمولی کی پیوست یہ چھ بیزار تختواہ کے ساتھ ٹھاث بائٹھ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں جو اس بات کا اشارہ ہے کہ بھیا یا بھیا کی طرح ہی پچھے اور قدر دان خاصاً نوازتے رہتے ہیں محترمہ فیری کو ہفتے میں دو یا پھر ایک چکر تو ضرور ہی لتا ہے بھیا کا قصور میں۔“

یہ امکشاف کر دینے کے بعد وہ ایک طرف بیٹھا

بہن کی شادی کی دعوت دینے پوری فیملی بھی آئی تھی۔ امی آپ کو تو یادے ناہی؟“
”ہاں ہاں بڑی بھلی خاتون ہیں۔“
”انہی کی بھا بھی ہے معطر۔“
”معطر۔ وہ بڑا مرکا مرکا ساترو تازہ سانام ہے۔“
چھوٹی بھا بھی نام پر ہی خوش ہو گئیں۔

”اب تو تازہ ہو یا باسی کیا فرق ہوتا ہے۔ چلو میاں! تم نے جو غتیں مان رکھی تھیں، اوری ہو گئی۔“
ترکے الگ کے پڑھاوے چڑھا دینا شکرانے کے میری مرضی نے تو ماہ نور تھی نہ ہی راہ گلی، میری تو صرف یہ کڑی خون کے رشتہوں سے جوڑنا چاہتا تھا لیکن جسب یہ نہیں ہوا کہ دیپک، عفرا تے میا پلٹر، ایک ہی بات ہے۔“
بڑی بہنیا زی کے ساتھ انہوں نے میران پر جتابدا کہ وہ باول نخواستہ اس کی پند کو اپنائے پہ تیار ہو رہے ہیں۔ اس نے بھی ابی کا یہ احسان میں جان سے اپنے سر لے لیا۔

اس سے اگا! مرجنہ بغير کس بد منگ کے طے ہو گیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آنا ”فانا“ طے ہو گیا۔ شفیقہ خاتون راحت لی والدو کے نوسط سے ان ہی کی ہمراہی میں یہ رشتہ لے کر گئی تھیں، اس لیے روایتی تکلفات کا دور نہ چلا، لڑکی کے ماموں نے خصانت دی اور بغير کسی پس و پیش کے مجرہ ہمیں جعفر نے یہ رشتہ قبول کر لیا۔
اب تک خواجہ خلیق الرحمن کے کسی روپے سے نہ لگ رہا تھا کہ وہ اس رشتے پر دل و جان سے راضی ہیں۔ میران ان کے چہرے پر حقیقی میرت تلاشتا ہی رہا لیکن وہاں فقط اندیشے تھے سسے ہر اس تھا۔

”سب ڈھنگ ہو جائے گا۔“ اس نے خود کو تسلی دی۔ معطر پورا بھروسہ تھا کہ وہ جلد ہی ابی کو اس خود ساختہ خوف سے آزاد کر دے گی۔ اسے بس آنے والے وقت کا انتظار تھا۔ وقت جو خود سب ثابت کر دے گا لیکن اس سے پہلے جبراں نے ثابت کر دیا کریں۔

ہوا یوں کہ ابی تو اسے فرقان کی سرگرمیوں پر نظر

میں سلام کرتے ہوئے انہوں نے پھر سے نظرؤں، ہی
نظرؤں میں سب کو جانچا۔

”اوہ ہوئے میں تو بھول ہی گیا، آج اپنے مسوکی
تاریخ رکھنے جانا تھا ان پیچ پیچ آپ سب شاید
میرے ہی انتظار میں بیٹھے ہیں۔ لیکن دس منٹ اور
میں شاور لے کر چیخ کر لیتا ہوں۔ واقعی بست دیر ہو گئی
لیکن آپ سب بھی تو کمال کرتے ہیں، مصروفیت میں
میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی تو آپ میرے
موباکل یہ رنگ کر لیتے۔“

بڑی تجلیت کے ساتھ کہتے وہ اپنے کمرے کی طرف
بڑھنے لگے کہ الی کی سرد آواز نے ان کے قدم اور
اعصاب دونوں محمد کر دیے۔

”صاحبزادے! یہی بات تو یہ کہ مسوکے دن رکھنے
آج نہیں اتوار کو جانا ہے اور دوسرا بات یہ کہ جس تم
لبی فریدہ کے ساتھ ہوتے ہو تو انہا موبائل بند رکھتے
ہوں ایسے میں اگر تمہارا باپ بھی مر جائے تو یہیں اس
کی اطلاع نہ ہو سکے گی اور ہونی بھی نہیں چاہیے، مفتے
بھر کی جدائی کے بعد تم سوچنےوں کے ساتھ یہو گی کی
وفاؤں کا ندیق اڑاتے ہوئے، جوان ہوتی اولاد کے
ساتھ وہشائی و کھانتے ہوئے اور بوڑھے باپ کی
آنکھوں میں دھول جھوٹکتے ہوئے اس سے ملنے جاتے
ہوئے کسی کو کیا حق کہ وہ تمہاری خلوت میں دخل دے
سکے۔“

خواجہ فرقان ایک جھنکے کے ساتھ پلٹنا چاہتے تھے
لیکن پھر ہوئے بھائیوں اور بھائیوں کی موجودگی میں بھید
کھل جانے کی خجالت نے انہیں منہ پھیرے رکھنے پر
مجبور کیا۔ ان کا کترایا کترایا پشیمان سا انداز دیکھ کے مہ
لقاڑھے گئیں۔ نجاں کیوں اس قدر طیش کے عالم
میں بھی انہیں امید تھی کہ وہ اس الزام پر بھڑک انھیں
کے، جران کو ڈانت ڈیٹ کریے کھلوالیں گے کہ وہ مذاق
کر رہا تھا اور یہ امید تو شاید سب ہی کے دلوں میں ہی
جب، ہی بھیا کا خاموش اعتراف سب کو ملال دے گیا۔
”مجھے تجھ سے یہ امید نہ تھی فرقان تو تو سے تو تو
میرا سب سے سیدھا سارہ سا پیبا پچھہ تھا۔“ امی جان

گندمیاں چونے لگا۔ مہ جیں بھابھی شانے پر بیگ
لکائے جانے کو تیار تھیں، اب تانگ چڑھا کے
صوفی براجاں ہو گئیں، مہ بارہ بھابھی اپنے
اسٹوڈنٹس کو چھ کاپیاٹھ رئنے کے لیے دے کے اسٹاک
سمیت ہی آکران کے برابر تک گئیں۔ دونوں نے پہلی
فرصت میں فون کر کے اپنے اپنے میاون کو بھی بلوالیا
تھا اسکے دوسرے تھرل سے محروم نہ رہیں۔

مہ ناز تائف سے اپنے ٹھمنڈرے مزاج شوہر کو
تکنے لگیں جسے صورت حال کی سگمنی کا احساس تھا نہ
معاملے کی زائدگی کا۔ اگر یہ بات صحیح تھی تب بھی
اسے لوں سر عام بھانڈا پھوڑنے کے بجائے صرف انی
کو مطلع کرنا چاہیے تھا، وہ خود ہی اپنے ڈھنگ سے
اسے نمایا لیتے۔ اس طرح بات کھل جانے کا خاتمہ بھی
اگر بڑے بھیا کے سر سے اتر جیسا تو وہ مزید دلیر بھو جائیں
گے۔

لتمان اور عمران تقریباً اگے پیچھے ٹھر ہیڈر واخل
ہوئے، دونوں کو اصل تقصیت کی بے تانی تھی اور
دونوں کی مشترکہ تسلی و تشقی سپورٹ بھابھی نے بصیرت
شووق احسن طریقے سے کرائی۔ ابھی وہ کھل تفصیلات
سے فیض یا بہو ہی رہے تھے کہ پڑے بھیا کی آمد
ہوئی۔ سب الرث بھو کے بینچے گئے، بڑی بھابھی کے
محیر کقدم تھم گئے، اب نے بھی موچھوں کو تو اور سینے
کا شغل ترک کیا۔ فقط انی جان تھیں جن کی سرگرمی پر
کوئی فرق نہ پڑا۔ وہ حسب معمول چپ چاپ سیج کے
دانے گرائے جاری تھیں، اب اور زیادہ خشوع
و خضوع سے دانے گرنے لگے، بال کے سانے میں
پچھلے برآمدے سے آتی آدھ درجن بچوں کی آواز بیک
گراونڈ اسکور کام دے رہی تھی۔

چھ دوپنی بارہ

چھ تیا اٹھارہ

ٹانی کی نٹ ڈھیلی کرتے بھیا کا پہلا قدم جیسے ہی
اندر پڑا، تمام اہل خانہ کو ایک ہی سے تاثرات سجائے
ویکھ کر تھم سا گیا۔

”السلام علیکم۔“ الجھے ہوئے سے انداز

ڈپارٹمنٹ ہے ان کا نیس۔

”اچھا ٹھیک ہے میں مانتا ہوں۔ میں بڑنے کے سلسلے میں نہیں گیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ضرور کسی عورت کا ہی چکر ہو گا۔ میرا بڑا اچھا دوست ہے وہاں۔ اس کے ساتھ دن گزارا ہے آخر ہفتے بھر کی میشن کے بعد پچھر ریلیکس کرنا میرا بھی حق ہے۔“
یہ ان کا اگلا بیان تھا۔

”تو اتنا جھپ پچھا کر ریلیکس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ الی گرتے

”اور میں پوچھتی ہوں، یوں یعنی اور بھرا پا گھر ہوتے ہوئے باہر کسی غیر کے پاس دن گزارنے میں کیا آرام ملتا ہے انہیں؟ یہ سب بمانے ہیں، جھوٹ ہے۔“ بھا بھی سرے سے کسی ”مردانہ دوست“ کے وجود سے انکاری نہیں۔

”جب کسی کو گھر میں آرام نہ ملے، سکون میرنہ آئے تب ہی وہ باہر کی خاک چھانتا ہے۔“ آہستہ آہستہ بھیا کھلنے لگئے

”کیوں صاحبزادے! تمہیں کیا فتر سے آنے کے بعد یعنی نہلانے پڑتے ہیں، یوں کے پیر دابنے پڑتے ہیں، آنا گوندھنا پڑتا ہے، جھاڑو لگانا بوتا ہے یا بھردیگ دم دینی ہوتی ہے۔“ الی نے جواب طلبی کی۔

”ان محترمہ کا بس چلے تو یہ سب بھی کروالیں مجھ سے۔ آپ نے یوں نہیں بیٹھا مسئلہ میرے سر پر بھا رکھی ہے الی۔ میں تنگ آکیا ہوں اس کی زیر دایت زندگی گزار گزار کے یہ مجھ سے بڑی ہے، مانکا ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہر وقت ہی اپنا بڑا پن ثابت کرنے پر مل رہے میں نے ہزار بار اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ یوں ہو یوں بن کر رہو، اماں مت بنو۔ لیکن اس نے ہمیشہ میری بات کھسی کی طرح اڑا دی، اب بھگتے۔ اسے اماں بننے کا شوق ہے، اپنا شوق پورا کرتی رہے۔ مجھے یوں کی ضرورت ہے۔“ میں۔“ طیش میں کھملتے کھملتے دہ سب کچھ کہ گئے۔ ہوش آیا تو بست دری ہو چکی تھی۔ اتنی در سے جو بودے بمانے گھڑے جا رہے تھے۔ سب منہ کے مل

یہیک کے رو دیں۔ بھا بھی کے آنسوؤں کو بھی راہ مل گئی۔ ساس کے شانے پر سرناکروہ سکنے لگیں۔ بچے آوازیں سن کر پریشان سی شکلیں لیے اس طرف آگئے۔

”کیا ہوا بڑی امی مامی۔ آپ دونوں کیوں رو رہی ہیں۔“ ندا پوچھنے لگی لیکن بھا بھی ہر چیز سے بے خبر نہیں۔

”ہائے میں بھروسے میں ہی ماری گئی۔ مجھے کیا پیتا تھا فرقان آپ اس عمر میں مجھے یہ غم بھی دکھائیں گے۔“

ند اور نادر نہ بکھنے کے نے انداز میں باب کو دیکھنے لگئے جو سلے ہی بیٹی کی آواز پر تریک کے نزدیک آگیا تھا اور اب تھی نہ ہوں ہے سب کو دیکھ رہا تھا۔ مہ ناز بھا بھی بچوں کا ہاتھ تھام کے اوپر اپنے گرے میں لے گئیں۔

بچوں کے منظر سے نائب ہوتے ہی فرقان بھیا کی شرمندگی بھی دھیرے دھیرے دیکھنے لگئے۔ اس اور الی کی لعنت ملامت کے جواب میں بلکل بکھری سرگشی نمودار ہوتی گئی۔ سب ہی حیرت اور افسوس کے ساتھ ان کی بودی دلیلیں کنٹ رہے تھے، جو ہر دو منٹ کے بعد اپنا رنگ بدل رہی تھیں۔

”آپ سب کو شدید غلط نہیں ہو رہی ہے بلکہ بلکہ یہ سب فساد اس خبیث کا پھیلایا ہوا ہے۔“ جران کی طرف خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے انہوں نے پہلا و غماحتی بیان دیا تھا۔ ”میں تو فیکٹری کے کام سے قصور گیا تھا، کسی فیری شیری کو میں ہرگز نہیں جانتا۔ جواباً“ الی نے قصور کی اس فیکٹری کو ہرگز نہ جانے کا اعلان کیا جہاں سے ہو کر وہ آرہے تھے (بقول ان کے)

”اوہ، آپ کیا جانتے ہیں بھلا، کئی سال سے براۓ نام چند گھنٹوں کے لیے آقس آتے ہیں وہ بھی مہینے میں ایک دن، نئی نئی ڈیلنگزِ لرنا میرا کام ہے آپ کا نہیں۔“ اب جو الی کارروائی کے طور پر جران نے یاد دہانی کرائی کہ آؤٹ آف اسٹیشن ڈیلنگز اس کا

گر گئے

”تو یہ کیا آپ نے آپ نے دوسری شادی کر لی؟“ بھا بھی صدمے سے سفید پڑ گئیں۔ الی بھی پہلے خوب گرج چک رہے تھے لیکن اب بیٹھ کی ڈھنائی کے مظاہرے پر ڈھیلے پڑ گئے۔ ”نمیں۔“ قورا ”تردید کی گئی۔ لیکن کسی کو یقین نہ آیا۔ ان کے جھوٹ پچ کی حقیقت ابھی پکھ دیر پہلے سبھی نے دیکھ لی تھی۔

”میں نے دوسری شادی ابھی تک کی تو نہیں لیکن اگربات کھل ہی چکی ہے تو اتنا بتا دوں کہ میرا ارادہ یہی ہے۔“ علی الاعلان اپنا ارادہ ظاہر کر دیتے کے بعد وہ منظر سے غائب ہونا ہی چاہتے تھے کہ خواجہ صاحب سبکی ”پدرانہ شفقت“ پھر سے جوش میں آئی۔ ”قورا“ اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر چھڑی کے ذریعے ان کا راستہ روکا۔

”کیا کما؟ کیا ارادہ ہے تمہارا؟ ذرا بھر سے کہنا تو...“ ”جس... وہ میں...“ الی کو بھر سے فارم شیش آئتے دیکھ کر وہ اپنی فارم کھونے لگے۔ ”دوسری شادی...؟ ہوں... یہی کہہ رہتے تھے تم؟“

”دوسری شادی کرنا کوئی گناہ تو نہیں الی؟“ میں کوئی ناجائز کام تو نہیں کر رہا ہوں۔ آخر اسلام میں ”وہ اپنی پوزیشن سنبھالتے ہوئے دفاع میں پکھ کہنا چاہی رہے تھے کہ الی نے بات کاٹ دی۔

”خبردار جو اسلام کا نام لیا۔ کیا میں جانتا نہیں تمہارا اسلام کہاں سے کہاں تک ہے۔ اتنی عمر ہو گئی؟“ اب بھی میری سوبائیں سن کر ہی مارے بندھے بس جمع کی نماز پڑھنے جاتے ہو۔ رمضان کا سارا میہنہ یکاریز کے روزے سے بھی جان چھڑا لیتے ہو۔ ڈاڑھی تم نے نہیں رکھی، سونا تم پہنتے ہو، موسيقی، فلمیں سب چلتا ہے۔ تب اسلام یاد نہیں آتا۔ خبردار جو تم نے منہ کھولا۔ مجھے چار شادیوں والی دلیل دینے کی کوشش بھی ملت کرنا۔ ”چھڑی کی نوک ان کے سینے پر ٹھونک ٹھونک کروہ یوں گرجے کہ بے چارے فرقان بھیا منہ ہی

منہ میں پدیدا کر سسم گئے۔ بھا بھی بھی انہیں کمزور پڑتا دیکھ کر سبھل گئیں۔

”چلو اپنے کمرے میں۔ اب تمہاری کوئی شکایت نہ سنوں میں،“ بھی۔ اور رہی تمساری وہ فیری شیری تھی۔ ایسی حسیناں کی حقیقت میں اچھی طرح جانتا ہوں اور تم پر بھی عیاں کر دوں گا۔ جران!“

”جی الی!“ وہ آخری گندمیری کی باقیات منہ سے نکال کر الٹ پڑ گیا۔

”دوں کے اندر اندر اس چھمک چھلو کا سارا کچھ چھٹا کھوں کراس کے سامنے لاو۔ ذرا اس کے عشق کا بخار تو اترے۔“

اور جران کے لیے کسی کا پول کھولنے کے لیے دو نہیں بھی بہت زیاد تھے۔ اگلی راستہ تمام ثبوت سمیت موجود تھا۔

”نام تو اصل ہی ہے یعنی فریدہ، البتہ یہو نہیں ہیں۔“ دوپار کی طلاق یافتہ ضرور ہیں۔ سپرواائز کی معمولی سی پوسٹ کی بھی اہل نہیں یعنی صرف میل پاس ہیں۔ صرف ایسے تعلقات کی بنای پیکنگ گرل سے ڈائریکٹ اس سیٹ تک آئیں۔ ان کی بڑی ہمشیرہ رشیدہ عرف روٹی اپنی ان ہی خاندانی حرکات و سکنات کی وجہ سے جیل میں ہیں۔ والد صاحب ابھی کچھ روز قبل بڑی دختر سے ملاقات کر کے آئے ہیں۔ ان کی یہ ملاقات تقریباً چار سال جاری رہی، جرم منشیات کی فروخت تھا۔ میں فیری ہماری ہی کمپنی کے استنسٹ نیجر اور اکاؤنٹننٹ کو بھی اپنی زلفوں کا اسیرونا چکی ہیں۔“

اس نے مختلف کاغذات ثبوت کے طور پر سامنے پھیلا دیے۔ چند اخبارات بھی تھے۔ ایک میں اس کا باپ ہتھکڑی لگائے اکڑوں بیٹھا تھا، دوسری میں بڑی بسن کا خوفناک ساکلو زاپ تھا ”بلیک میلر حینہ“ کے کیپش کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ میں وہ بذات خود براجمن تھیں اپنے سابقہ شوہر کے الزامات کے ساتھ جن کے مطابق میں فیری کا کام ہی شادی کے بعد مختلف ہتھکڑوں کے ذریعے شوہر کی دولت ہتھیا لیئے کے بعد طلاق پر مجبور کرنا ہے۔ فرقان

بھیا کا سر شرم اور افسوس سے جھک گیا۔

”باپ کی پسند یہ بڑا اچھل اچھل کر اعتراض کر رہے تھے یہ ہے تمہاری پسند۔ جرام پیشہ گھرانے کی بد نام، کمی بد معاش عورت۔“

وہ چیز چاپ اٹھ کے اپنے کمرے میں چل دیے۔

”چلو اٹھو، تم سب بھی اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔

تماشا ختم ہو چکا اور مہ لقاۓ تم رو بیتی۔“

سب کے جانے کے بعد انہوں نے بڑی بہو کو قریب بلایا اور پچھہ دیر خاموش بیٹھے رہے جیسے بولنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔

”بیٹی! تماشا واقعی ختم ہوا لیکن سے پچھہ کہہ نہیں سکتا کہ دوبارہ یہ تماشا کپ لگے۔“

”دنیں الی آجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے ہوتے میں کبھی کمزور نہیں پڑوں گی۔ آپ ہی میری طاقت ہیں اور میرا سماں بھی۔“

”اور میرے بعد؟ خود اپنی طاقت آپ بنو بٹی۔ تم سے بہتر تمہاری حفاظت کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں بھی نہیں۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ نیتے کا باقاعدہ غلط جگہ رہا۔ کھیاہٹ اور شرمندگی سے اس کی ہمت کمزور رہ گئی ہے۔ اس کی ہمت دوبارہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے اسے سنبھال لو، قابو میں کرلو۔ تمہارے یا اس یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ بس تمہیں خود کو بدلنے کی ضرورت ہے۔“

”جی میں سمجھی نہیں۔“

”تمہاری سمجھ بھی اسی فیقے کے ساتھ رہ رہ کر کم ہو گئی ہے۔ ویسے تو یہ گریمیں بتانا تمہاری ساس کی ذمہ داری ہے لیکن انہیں آنسو بہانے اور تشیع کے ذانے گرانے سے ہی فرصت نہیں۔ یہ بس اتنی سی مدد کر سکتی ہیں کہ شانے سے لگ کے ہمدردی کے آنسو زماں میں یا ساری رات صلے پے بیٹھ کر دعا میں مانگ لیں۔ خیر دعا تم ان سے لے لو اور دو داروں میں بتلانے دیتا ہوں۔ فرقان اب کوئی لونڈا پاڑا نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ تم اس پے توجہ دیتا ہی چھوڑ دو۔ ارے عمر تو جیسے جیسے بڑھتی جائے، مرد زیادہ توجہ مانگتا

ہے اور ایک تم ہو کہ سارا سارا ان گھر اور گھرداری میں الجھی رہتی ہو۔ یہ لہیک ہے کہ گھر کی ذمہ داریاں اپنی جگہ سے لیکن زائد اور لا سروں کے حصے کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر تم ان کا حق مارتی ہو جو تم سے وابستہ ہیں۔ ان میں تمہارا شوہر بھی ہے اور تمہارے بیٹے بھی۔

تمہارا شوہر اندر کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوتا ہے۔ تم بھا بخے بھتیجیوں کو نہ لارہی ہوئی ہو۔ وہ ففتر سے تھکا ہارا آتا ہے، تم مشین پہ دھڑا دھڑ بہن کے کپڑے لیے جا رہی ہو۔ ذرا خود کو بدلو، اپنی ذات پے توجہ دو۔ کام کی زیادتی نے تمہارے چہرے کی رونق تباہ کر دی ہے۔ اپنی بہنوں کی طرف ہی دیکھ لو۔ وہ مسپارہ چار چار بچے بھر کی بنائے رکھتے ہیں، انہیں اسکوں بھیجنے کے بعد مزے سے گھنٹوں سوئی رہتی ہے، ووہ جوں جوں بیٹی ہے۔ وہ آدمی ڈاکٹری کیسے ٹیٹاپ سے رہتی ہے اور چھوٹی بھوٹی طرح اسے بھی کام کا ہو کا ہے لیکن خود سے لاپروا نہیں رہتی۔“

الی کی ساری ہدایتیں مہ لقا بھا بھی نے بڑے دھیان سے سنیں اور ان پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ بھی کر لیا۔ اس سے سلے بھی اکثر کوئی نہ کوئی انہیں اس بات کا احساس دلاتا رہتا تھا لیکن وہ یہ میشہ ایک گان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتیں۔ اس بار بخیدگی سے غور کیا، نہ کو کہی ایسی لگی تھی کہ وہ محتاط ہو گیں۔



”وصی۔۔۔ وصی پت۔۔۔“

خواجہ صاحب آوازیں دیتے اندر آئے ڈوٹالڈ حسب عادت ان کے پیروں کے آگے پیچھے پھرد کر رہا تھا۔

”جی، دو!“ وہ ستا ہوا چھوٹے کر سامنے آیا۔

”یہ نمک پارے اور ٹکڑے لے جا کر اپنی چھپی کو دے آؤ، شام کی چائے کے لیے۔ وہ دیں وہ میں ہو گی۔ چائے کا وقت ہو چلا۔“ گھری پہ وقت رکھتے وہ شغفہ خالتوں کے برابر آبیٹھے۔ ان کی روئی روزی آنکھیں دیکھ کر ہیٹھ کر رہیں۔

سویرے، رات کے کھانے کے برتن ہوتے پا دوپہر کو استعمال ہونے والے بڑے برتن دیکھی ڈونگے وغیرہ۔ وہ ناشتے سے پہلے آتی اور مہ لقا بھائی کی نفاست پسند طبیعت کو گوارانہ تھا کہ ناشتے کے برشوں کا دھیرا گلے چوبیں گھنٹوں تک مکھیاں بھنکاتارے وہ سہ پر کوچکن میں آگر دوپہر کے برشوں میں سے بھی گلاس پیٹیں وغیرہ دھو جاتیں۔

دوپہر کے کھانے کی ذمہ داری مہ پارہ بھائی کی تھی۔ وہ بس ہائڈی میں چمچہ بہا کر نام کر لکھتیں کیونکہ سبزی وغیرہ کاٹ کر حتیٰ کہ دھو کر بھائی تیار کر چھوڑتی تھیں کہ بچوں کو اسکول بھینجنے کے بعد مہ پارہ بھائی اپنی نیز ضرور پوری کرتی تھیں۔ گیارہ بجے بستر چھوڑنے کے بعد چائے ناشتے سے فارغ ہو کر جب وہ ساڑھے پارہ بجے پکن کو رونق بخشتمیں تو ان کے پاس صرف آدھ کھنٹا ہو تا تھا کیونکہ الی اور ای وونوں ایک سوا ایک بجے کھانا کھایتے تھے۔ اگر بڑی بھائی پہلے پکن کا چکرنا لگا چکی ہو تو اس تو انہیں پتا چلتا کہ آدھ گھنٹے میں اتنا دھیر کھانا کیسے تیار ہوتا ہے۔

سلاد، چٹپتی فرنچ میں تیار پڑی ہوتی۔ پیاز کٹی ہوئی، لسین، چھلا ہوا اور اور ک پسی ہوئی پیالیوں میں رکھی ہوتی۔ سبزی بھی بنانے کے بعد دھو کر الگ تسلی میں بھگولی ہوتی۔ اگر کوفتہ یا کباب بننے ہوں تو قیمتی میں پہلے سے مالے مکس کر دیے جاتے بھی بھار تو گوشت مالے سمیت کر میں چڑھا دیا جاتا۔ آٹا گوند ہمار کھا ہوتا۔ لوں بڑی آسانی کے ساتھ وہ آدھ گھنٹے میں اس معركے کو سر لیتیں۔

سہ پہر کی چوائے مہ جیسی بھائی کے ذمے تھی۔ وہ تقریباً اس نام مگر آتیں، اس لیے خالی چائے ہی بنانے کا نام مل پاتا، چائے کے ساتھ جو دوسرے لوازمات پیش ہوتے وہ عموماً مہ لقا بھائی یا مہ ناز کی کارگزاری ہوتی۔ آج کل چونکہ مہ لقانے شوہر کے آنے کے بعد پکن کے پھیرے لگانابند کر دیے تھے اس لیے وہ ایک دن مہ ناز ہی مہ جیسی کا ساتھ دیتی رہی لیکن اس کی طبیعت کی گرانی کے سبب پچھلے چند روز

”مہ جیسی پچی تو پکن میں نہیں“ میں لفافے رکھ آیا ہوں۔ ”وہ اطلاع دے کر بھاگنے لگا۔“ ”مرے تو جاؤ، زرادر واڑہ کھنکھناؤ،“ چھ بختنے کو ہیں، کب ملے گی چائے؟“ ”میں؟ میں دو؟“ وہ سسم کرانے کمرے کے بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ خواجہ صاحب کی سمجھ میں اس کا تردید نہ آیا۔

”وصیا!“ بند دروازے کے پیچھے سے مہ پارہ کی غضب تاک آواز آتی اور وہ تیر کی طرح اپنے گمرے میں تھس گیا۔ ”کس قدر نام معمول بچہ ہے۔ میں نے کہا چمچی کو جھاؤ،“ اپنے گمرے میں بھاگ گیا۔ ”وہ بڑھانے لگے شفیقہ خالوں پیروں میں چل اڑنے لگیں۔

”بچہ بچارہ کیا کرے۔ مال کا حکم نہیں ہے پچی کے کمرے کی طرف رخ کرنے کا۔ میں خود مہ جیسیں کو آواز دیتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ”خیر نکلنے والی تو وہ بھی نہیں۔ خود ہی بنالیک ہوں چائے؟“

”کیا ہوا ہے؟ میں پوچھتا ہوں۔ ہوا کیا ہے؟ یہ حد بندیاں یہ کرو بندیاں یہ سب کیا ہے؟“ وہ سخت متوجہ تھے۔

”تبا معرکہ خواجہ صاحب! تبدیلیاں تو آپ پچھلے ایک ہفتے سے دیکھے ہی رہے ہوں گے۔ یہ کایا پلٹ ہے کھایا پلٹ۔“

”تبدیلیاں؟“ وہ سوچ میں پڑ گئے۔ مہ لقا سے گفتگو کے انھلے دن تبدیلی تو نظر آنا شروع ہو ہی گئی تھی لیکن انہوں نے نوٹس نہ لیا۔ ظاہر ہے، اتنے سال یہ ہر ایک عورت کے ہاتھ میں تھا، سارا انتظام، سارا انتظام۔ پچھہ وقت تو لگے گا باقی سب کو اپنے حصے کی ذمہ داری سنبھالنے میں۔

صحیح کا آغاز ہی مہ لقا کو متحرک کر دیتا۔ ناشتے کی ذمہ داری ان کی تھی۔ سب کو فردا ”فردا“ ان کی پسند کا ناشتہ کرانا۔ بچوں کے اسکول کے لیے لیچ باکسر تیار کرنا، دو دھو ابال کر رکھنا، ناشتے کے دھیروں برتن خود دھونا کہ برتن دھونے والی ماں دن میں ایک بار آتی تھی یعنی صحیح

ڈال دی ہے اب مجھ سے یہ ہلکا ناشتہ کھا کر دن نہیں
گزار جاتا۔“

”مکمال ہے۔ داکثر ہو کر آپ یہ نہیں جانتے کہ آئی
اور ہیوی بریک فاسٹ کتنا نقصان وہ ثابت ہو سکتا
ہے۔ آئیٹ میں تو دیسے بھی انڈے کے ساتھ پروٹین
برن ہو جاتے ہیں۔ بوائل ایگ، یہ اصل غذا ہے۔“
وہ دلیل دیتیں۔

حالانکہ اصل وجہ یہ تھی کہ بل والے پرائیٹ بنانے
اور آئیٹ کے لیے پیاز کاٹنے میں اتنا وقت لگتا کہ وہ
ڈھنگ سے تیار نہ ہو پاتشی۔ جس وقت مہ ناز ببلو
کے لیے انڈہ ابا لئے لگتی ہے چکے سے ہوتے پالی میں وہ
اور انڈے ڈال دیتیں۔ چائے تو تاری مل، یہ جاتی ہے۔
ہمیشہ کی طرح بارہ بجے کے بعد پکن کا رخ کرنے والی
مہ پارہ چڑی میں جب سارا پکن منہ ہو لے ان کا منتظر
ہوا۔ مہ لقا بھا بھی فرقان بھیا کے جانے کے بعد انی
بہنوں کا پھیلاؤ سمیتیں۔ انڈوں کے چھلکے، بریڈ کا
چورا، چائے کے نشانات، پیاز کے چھلکے دعیرہ وغیرہ
برشوں کا ذہیر دھونے کے بعد وہ اپنے کمرے کا رخ
کر دیں۔ اب مہ پارہ کو الف سے یہ تک کھانے کی
ساری تیاری خود کرنا پڑتی۔

صفائی والی ماہی سے اپنی نگرانی میں کام کروانامہ ناز
کی ڈیولی ہے۔ اس لیے وہ بھی مصروف ہوئی پھر بھی مہ
پارہ کہہ کھلوا کر زبردستی اس سے مدد لے ہی لیا کرتی۔
اور وہ مارے مرتوں کے کر بھی دیتی لیکن پھر صفائی اس
کی مرضی کے مطابق نہ ہو پاتی، اس لیے اس نے بھی
معذرت کر لی۔

ایوں ہفتہ دس دن بعد یہ نوبت آگئی کہ دوپہر کے
کھانے نہ سلااد ہوتا نہ راستہ۔ اکثر ویشوری بازار
سے منگوٹی جاتی یہ کہہ کر کہ آٹا گوند ہنے کا نام نہیں
ملا۔ کل رات کے بچے ہوئے سالن اور والے کے ساتھ
آئیٹ بنایا گیا تھا اور پرسوں ڈھیلی سی کھڑی بن کر بغیر
کسی چشمی اور سالن کے سجادی گئی۔

ساس سر کے ناک بھوں چڑھانے کی قطعاً ”پروا
نہ کرتے ہوئے وہ دوپہر کو ہلکا پھلکاریج لینے کی افادت

سے خواجہ صاحب بازار سے کچھ نہ کچھ لے آتی تھے
ناز ایک بار پھر مال بننے کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔
رات کے کھانے کی ڈیولی بھی اسی کی بھی جسے وہ
آج بھی ملے کی طرح بہ حسن و خوبی ادا کرتی تھی۔
رات کے کھانے پر اہتمام بھی زیادہ ہوتا کیونکہ تمام
افراد موجود ہوتے چیاتیاں ڈالنے کی ذمہ داری مہ
جبیں کی بھی جسے سردیوں میں تو وہ ادا کر لیتیں لیکن
گرمیوں میں اکثر بازار سے نان آتے ہے سب چاپ
چاپ کھا لیتے۔ بان الی اور امی جان کے لیے وہ میں
پھلکے گھر پہنچتیں۔

اب جب سے مہ لقا بھا بھی نے اضافی ذمہ داریوں
سے ہاتھ کھینچا، سارا نظام ہی درہم رہم ہو گیا۔ ناشتے کی
میزیہ ہی وہ ہر ٹونگ مچھی کہ توبہ، ہی ڈھلی۔ بھا بھی کا تو بس
نہ چلتا تھا کہ نوالے بنانا کر اپنے سر تاج کے منہ میں
ڈالیں۔ اب سر تاج تو خوشی سے چھو لے نہیں سمارہ ہے
ہوتے اتنی توجہ اور محبت پا کر لیکن یا تی س کے منہ
چھو لے ہوتے لقمان کو فرائی انڈا پسند نہ آتا۔
”افو مہ پارہ، ساری ڈری پچی ہے، انجماو اسے۔
میرا تو بھی متلا رہا ہے۔“ مہیں پتا ہے کہ میں نہ فرائی
ایک کھاتا ہوں۔“

اب مہ پارہ کے فرشتوں کو بھی کیا خبر کہ ان کے
میاں قل فرائی کھاتے ہیں یا باہن فرائی۔ اتنے سالوں
سے وہ یہ وقت جما یاں لے لے کر اخبار پڑھتے گزار
رہی تھیں۔ یہ بھی ان کی عنایت کہ وہ جاگ جاتی
تھیں اور بچوں اور میاں کی تیاری میں مدد بھی کر دیتی
تھیں۔ ناشتے کے وقت تو بس ان کا کام یہ ہو ماکہ اخبار
بنی کے ذریعے وقت کچھ آگے کھر کا تھیں۔ بچوں کے
اسکول جانے اور لقمان کے آفس جانے کا انتظار ہوتا
ہاکہ باقی ماندہ نیند پوری کی جائے مہ جبیں بھی اس
وقت اپنی تیاری میں مکن ہوتیں انہیں عمران کے
ساتھ ہی نکلنا ہوتا تھا۔ ایسے میں خود پر توجہ دے یا شوہر
کو ناشتہ کرائے۔

”یہ ابلا انڈا اور چائے کا کپ؟ میں یہ کھا کر ہامہ میں
جاوں گا۔ بھا بھی نے بھئے پرائی اور آئیٹ کی عادت

میرانداق اڑا سکتی ہیں۔ سب یہ تو چاہتے ہیں کہ میری بھر ہستی سلامت رہے اور میری اپنی ترجمہ کیا ہوئی چاہیے؟ ظاہر ہے میرا شوہر نہیں۔ بہت عرصہ میں نے دوسروں کو اولیت اور ترجمہ دے دے کر اپنا معاملہ خراب کیا ہے۔ اب یہ غلطی نہیں دھراں۔ مجھے ان سب سے بھی محبت ہے، سب کا خیال ہے لیکن فرقان کے جذبات کا احترام سب سے پہلے الی ٹھیک، ہی تو کہتے ہیں میں نادا میں ان کا حق مار لی رہی۔ سب کا دل جنتے کی دھرن میں شوہر کے دل سے اتری رہی۔“

انہوں نے اس مل تک جانے والے ہر راستے پر اپنا جال بچانا شروع کر دیا اور فرقان کوئی فطرتاً ”آوارہ“ بل پچھینک یا عیاش شخص تو تھے نہیں، یونہی ذرا سا نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے بھٹکنے لگے تھے، اب بیوی کی بھروسہ توجہ ملنے پر جیسے گھر سے باہر کے تمام رستے ہی بھونکنے لگے یہ احساس ہی کتنا خوش کن ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے لیے صرف آپ کے لیے خود کو سرتیا بل رہا ہے۔ وہ جان گئے تھے کہ مہ لقا میں دن بدن رونما ہونے والی خوش آئند تبدیلیاں صرف ان کے لیے ہیں ورنہ خود وہ کہاں اپنی ذات کے لیے اتنے جتن کرنے والی ہیں۔

یوں میاں راضی کرتے کرتے سب کی چیتی بڑی بھا بھی اور بڑی آپا، لاڈی بہنوں کو ناراضی کی گئی۔ یہ ناراضی پچھلے دو چار دنوں سے بڑی واضح صورت اختیار کر گئی تھی۔

اب جو شفیقہ خاتون نے خواجہ خلیق الرحمن کی توجہ نئی تبدیلیوں کی طرف دلائی تو ان کا دھیان اسی تبدیلی کی طرف گیا۔ مہ جبیں کی جبیں پہ شکنیں مستقل ہو گئی تھیں اور مہ پارہ کا پارہ ہر وقت سوانیزے پہ رہنے لگا تھا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حالات اتنے خراب ہو سکتے ہیں کہ ایک اپنے بچوں کا داخلہ تک دوسری کے کمرے میں جانابند کروادے گی۔

”کایا پیٹ۔“ انہوں نے شفیقہ خاتون کی بات دھراں۔

جنوا نے لگیں۔ انہوں نے بھی نظر انداز کرتے ہوئے باطل نخواستہ پھر ہی کے ملغوبے کو علق سے اتما۔ خواجہ صاحب یہ رعایت صرف اس لیے دے رہے تھے کہ رفتہ رفتہ سب کی روشنی سیٹھ ہو جائے گی۔ سر پڑے تو کہا ہی پڑتا ہے۔ یہ سورج کروہ قصداً ”اپنی بھجنی بسوؤں کی لاہر دائی اور سستی سے بھجوٹہ کرتے رہے۔ چھوٹی ہو گئی حدود جو مرد سے بھی واقف تھے اس لیے اسے گھنی سے آنحضرت کر دیں کہ وہ اپنی بڑی آپاکی سیٹ سنبھالتے کر رہا تھا۔

وہ ان پانی میں مازوہ سرکی بار ایسے سے بھی اور کمزوری اس کے جھٹے پر گیا۔ اس۔ وہ سپر کو باہر نکلتے اور شام کی چھٹے پیکے نوایمات لے آتے کیونکہ مہ جبیں سے تو اسی قسم اسید رکھنا عبیث تھا اور وہ جانتے تھے کہ مذکورہ دوسرے بھائی زبان کا پیشہ کیا ہے۔ رات کے کھانے کی تیاری بہ سو بار اس لئے تھی۔ تھملی بار اس کی حالت کے پیشہ نہ تھا۔ مگر بھرپور آپ نے یہ پیوں اپنے سر لے لی تھیں ایک انہیں اسی بار وہ کسی اور ہی مرض میں سرکھا رہی تھیں۔

شانوں سے زرا پیپری باریں سی چھیا اب اسیں لٹک کر صورت میں چہرے کے کئی سال کم کر رہی تھی۔ بھی بھار مندی سرپر تھوپیا میں تھیں اب ڈارک براؤن ڈائی بالوں کی چمک، ہی اور تھی۔ میک آپ سے سدا بے نیاز رہنے والے چہرے پہ گلوزی لپ اسک، بلک مسکارا اور بلش آن لگا ہوتا۔ لباس پر بھی توجہ ہوئی۔ پہلے پہل انہیں ذرا سی جھجک محسوس ہوئی۔

”سب کیا سوچیں گے؟“
”سارے باتیں نہ بنانے لگ جائیں۔“
لیکن پھر انہوں نے سر جھٹک کر اس شرم و جھجک کو پرے دھلیا۔

”کون سارے؟ کون لوگ؟ یہ سب غیر تھوڑے ہی ہیں۔ یہ میری صرف دیور انیاں ہی تو نہیں، میری مال جائیاں ہیں۔ میرا اتنا احترام کرتی ہیں۔ یہ بھلا کیے

لحوظ مروت ہے اس میں۔ منہ پہ جواب دے مارتی ہے۔ بس اس کی زبان کھلی تو مہ پارہ نے بھی حد کر دی۔ ”

”تم اصل قصہ مت سنانا۔ اپنے تجزیے پیش کرنے۔“ اب تو خواجہ صاحب کا بچش اور لفکر دونوں ہی انتہا کو جانپنچے۔

”در اصل بات آج سے نہیں کل شروع ہوئی تھی۔ مہ جبیں روز کی طرح سر شام، ہی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ اس کے کمرے کی کھڑکیاں باہر ٹیکریں پہنچتی ہیں جہاں اس وقت مہ پارہ سے محلے کے پیچے رہنے آتے ہیں۔ بس ہوا یہ کہ بچوں کے شور سے شنگ آگر اس نے باہر نکل کر اسے یہ کلاس اپنے کمرے میں لگانے کو کہہ دیا۔

”کمرے میں اتنی جگہ کہاں ہے کہ میں ان سات بچوں کو دہاں بٹھاؤں۔“ اس کے اپنے چاروں بچوں کے علاوہ ایک ندا بھی اور بس محلے کے دو بچے۔

”تو پھر پیچے لاوئیج میں چلے جائیں یا پھر برآمدے میں۔“

”لاوئیج میں تو اس وقت مران اور جران کا راج ہوتا ہے۔ وہی دی بند کریں گے نہ ہی میوزک اور برآمدے میں الی بیٹھنے ہوں گے۔“

”میں بھی لے جائیں انہیں،“ مگر خدارا کم از کم میرے کرپیہ تو سوار نہ کریں۔ سر میں اس قدر شدید درد ہو رہا ہے۔ ٹھکے ہارے کام سے آؤ اور دو گھنی کا چین میسر ہیں ہوتا۔“

”اوہ تو وہ تمہارے سرپیہ کب بیٹھے ہیں؟ تم جاؤ اپنے کمرے میں اور جی بھر کے آرام کرو۔“

”کیسے آرام کروں۔ پین کلر کھا کر زرا آنکھ لگی تھی کہ شور سے جاگ گئی۔“

”تو تم بھی تو بے وقت سوتی ہو۔ بچوں پہ بگرنا ناجائز ہے۔ اگر بھری دوپہر میں یا آدمی رات کو میں یہ کلاس لگاؤں تو تمہارا احتجاج کرنا جائز بھی ہے۔ ظاہر ہے یہ آرام کا وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت سوائے تمہارے اور کون سوتا ہے۔ سب اپنے کام تمہاری غیر ترقیاتی

”واقعی یہ تو کایا پلٹ ہے۔ لیکن ہوا کیا؟ مجھے پوری بات بتاؤ؟ آخر بات اتنی آگے کیسے بڑھی۔ ان دونوں میں معمولی کھٹ پٹ تو ہوتی ہی رہتی ہے آخر اور پتلے کی ہیں اور پھر مزاج بھی الگ الگ لیکن اتنی رجھتیں۔“

”بات صرف ان دونوں تک ہی تو محدود نہیں رہی۔ مہ لقا بھی پیٹ میں آگئی۔ نہ چھوٹیوں نے آپس میں کوئی کسریاں رکھی نہ ہی بڑی کے بڑے پن کا لحواظ کیا۔ ان کے لیے میں افسوس ہی افسوس تھا۔

”کیا؟ مہ لقا بھی ناقابل تغیریں۔ آخر تم پوری بات بتاتیں کیوں نہیں۔“ وہ حقیقت جاننے کے لیے بے چین تھے۔

”کام کرپیہ رہنے کی وجہ سے مہ پارہ الجھ تو خاصے دونوں سے رہی تھی۔ آپ نے محروس کیا ہی ہو گا۔ اس نے تو پیکے بس پیدا ہی کیے تھے، پالے تو بڑی اور چھوٹی بھن نے تھے۔ اب مہ ناز تو اپنی حالت سے خود مجبور تھی، اس کا حوصلہ ہے جو کمزوری اور لومہ دیر پریشر کے پاؤ جو دو اپنے نہنے سے پیکے اور کھلپوڑ مدداریاں جہ حسن و خوبی نہ ہماری ہے۔ لیکن ایسے میں دوسرے بچوں کے بھی اور مہ لقا کو تو آپ نے خود برداشت کی تھی پھر بھی ایسی بات نہیں کہ اس نے بالکل تسلی با تھے پیچ کر کھا ہو۔ آخر ندا کی طرح آمنہ اور آئینہ بھی اس کے ہاتھوں ملی ہیں۔

اب بھی روز صحیح اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ وہ ان چاروں کے پنج باکس بھی تیار کرتی ہے۔ لیکن مہ پارہ کو تو وہ دن یاد آتے ہیں جب اس کی بچیوں کی چیزیاں تک ملی گویندہ تھی اور چھوٹی رائٹ کے ڈانپروز تک دہی بدلتی تھی۔ بس جب تک وہ بے پایام کی غلام بنی رہی، اچھی تھی۔ بڑا آگے پیچھے پھرتی تھی بڑی آیا، بڑی آپا کہتے ہوئے اب جو بے چاری کی خود پہ بن آئی ہے۔ پاتھ پاؤں مار کے اپنی زندگی سنوار رہی ہے تو بڑی لکھی اور رہی مہ جبیں تو آپ جانتے ہیں، وہ ہمیشہ سے اپنے کام سے کام رکھنے والی ہے لیکن ساتھ رہی اس میں ایک بڑی عادت ہے کہ کسی کا ادھار نہیں رکھتی نہ ہی

تو نہیں کر سکتے۔"

"آپ لوگ دوپرلوں کو سو سکتے ہیں، میں تو نہیں۔ میدیکل رپ کو کس قدر بخی خوار ہونا پڑتا ہے اس کا اندازہ بھی ہے آپ کو؟ سیلز گر لز کی طرح سڑکیں نانی چڑتی ہیں۔ ابھی اس لینک تواب اس ہامپٹل۔ رات گومیں عمران کی وجہ سے جلدی سو نہیں یاتا۔ ان کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ لے دے گرایک شام ہی بھتی ہے اس میں بھی آپ یہ اپنا استانیوں والا شوق لے کر بینہ جاتی ہیں۔"

"مجھ پر اپنی نوکری کا رعب جمانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ کتنی تحقیر سے تم مجھے استانی کہہ کر بیلا رہی ہو۔ خود کوں سا سرجن یا فریشن ہو۔ الی صحیح تمہیں آدھی ذائقہ کہہ کر بدلاتے ہیں۔"

"میں کیا بات کروں ہوں اور آپ کیا ذکر لے بیٹھیں۔ میں نے کوئی شتر نیا ہے نہ ہی کسی قسم کا رعب لا لائے ہے مگر آپ کا پیلس کے۔"

"خدا نخواستہ مجھے کیوں کا پیلس ہونے لگا۔ کا پیلس کی ماری ہوئی تو تم خود ہو۔ کیا میں نہیں جانتی تم ان معصوم بچوں سے اتنا کیوں چڑھتی ہو۔"

"آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔ آپ نہیں جانتی کہ کس قدر تکلیف وہ اندازے رکارہی ہیں۔" مہ جبیں مہ پارہ کی بات کی گمراہی تک جا کر ترپیا اگھی۔

"ہونہے بھی بات کی تکلیف تو ہوں تی ہے۔" وہ تو کہہ کر چل پڑی لیکن مہ جبیں سلکتی رہی۔ اس کی شادی کو اتنے سال ہو رہے تھے لیکن اولاد کی کوئی امید پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ بیاہ کر آنے والی مہ ناز بیلو کے بعد اب ایک اور مہمان کی تیاری کر رہی تھی۔ سب جانے والے اس سلسلے میں اس سے سوال کرتے رہتے تھے، اپنے اپنے طور پر ہمدردانہ مشوروں سے بھی نوازتے رہتے لیکن اسے توقع نہ تھی کہ اپنی ہی بہن اس کی بے اولادی کو طعنے کی طرح استعمال کرے گی۔ اس نے ذہن میں اس کافقرہ وہ رایا اور نئے سرے سے سلگ اٹھی۔ وہ تو بہتر ہوا مہ پارہ اپنی کہہ کر اندر چل گئی ورنہ مہ جبیں اتنی بڑی اور نوچی بات

آسانی سے بہہ جانے والی نہیں تھی۔ آج دوپر کا واقعہ کل شام کے معرکے کو از سر نوزندہ کرنے کا باعث بنا۔ خلاف معمول مہ جبیں شام سے کچھ پہلے ہی چلی آئی۔ جب بھی وہ وقت سے پہلے آتی تو دیر سے ہی سکی دوپر کا کھانا گھر پہ ہی کھاتی۔ آج بھی ساڑھے تین بجے آنے کے بعد اس نے پھن کا سارخ کیا۔ فریج میں سے توڑی کی بھجیا اور قیمه پیاز کا سالن نکالا۔ ہاتھ پاٹ چیک کیا، روپی ندارد، سرو آہ بھر کے اس نے آٹا نکالنا چاہا حالانکہ روپی پکانے کا ذرا موڈنہ تھا لیکن بھوک زردست لگی ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ آج جلدی فارغ ہو جائے گی، اس لیے آفس ٹائم میں جو ہلکا پھلکا پچ لیتی تھی۔ وہ نہ لیا کہ ایک ہی وفعہ گھر چاکر کھانا کھایا جائے اور اب جب بھوک زوروں پر تھی، روپی پکی پکائی نہ ملی۔ "خیر میں کون سارو زخم گھر پہ کرتی ہوں جو کوئی میرے لیے اہتمام کر کے رکھتا۔" لیکن اس کا سکون غارت ہو گیا جب تلاش کرنے پر بھی فریج میں گندھا آٹا نہ ملا اور تب تو کوفت کے مارے اس کا حشر ہو گیا جب دببل روپی کے پیکٹ میں آدھے سلاس کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا، صبح سوائے اس کے سب نے ہی بن اور میٹھی کی کاشتہ کیا تھا۔ بچوں کے پنج بانکس میں بھی آپا نے فریج فرازیز کھئے تھے پھر راست کو لایا گیا بریڈ کا فل سائز پیکٹ ختم کیے ہو گیا۔ خالی پیٹ غصہ بھی خوب آتا ہے اور شو می قسمت ایسے میں مہ پارہ کی بچن میں تشریف آوری ہو گئی۔

"یہ تم کیا پوری کی پوری فریج میں گھسی ہوئی ہو؟" "اور پچھلے تو کے نہیں۔ میں نے سوچا، میں ہی گھس جاؤں۔" وہ جل کے بولی۔ "نہ روپی ہے نہ ہی آٹا نہ کوئی بریڈ سلاس۔"

"ہاں، وہ آٹا تو آج میں گوندھنا ہی بھول گئی۔ کیا کروں۔ روپیں میں نہیں ہے نال۔ ہمیشہ آپا ہی گوندھ دیتی تھیں لیکن اب تو انہیں اور بھی مصروفیات ہوتی ہیں۔ بازار سے روپی منگوائی تھی۔" وہ سکون سے رائمنہ کے لیے فیدر بنانے لگی۔

”اوہ بڑیا!“

”می کے دانت میں درد تھا، بڑی کے ساتھ کھانا کھایا اور رضی بھی تو توری نہیں کھاتا، قیمتے میں مرچ زیادہ ہو گئی۔ میں نے ابلے انڈے مکر کیے اور سینڈ و مرچ بنایے۔“ اس نے فخریہ اعلان کیا لیکن مہ جبیں تو مکر کے رہ گئی۔

”ایک آدھ سلاس تو پھاوتیں۔ گھر میں کچھ نہ کچھ تو موجود ہونا چاہیے۔ خالی فرنگ بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ ایک انڈا تک موجود نہیں۔ فروٹ کا ایک دانہ نہیں۔ پیچے نہ ہوئے جن ہو گئے جو سب چیت کر گئے۔“ اس نے زور سے فرنگ بند کیا۔ اوپر جی آوازیں سن کر مہ لقا بھی اس طرف آگئیں۔

”زبان سنبھال کے بات کرو جیں۔ کیسے منہ بھاڑ کے میرے بچوں کو جن کہہ دیا جیسے تمہارے پکجھ للتے ہی نہیں۔ گھر کے باقی لوگوں کو تو جیسے پیٹ اگا ہوا ہی نہیں۔ بس میرے پیچے ہی سب کھا جاتے ہیں۔ فروٹ تو سارا وہ پھولی ٹھوںس جاتا ہے، بھلے شفٹل پچ اس کے بارہ ہی کیوں نہ رہے ہوں اور رہتے انڈے تو ناشتے میں سے جو نجح جاتے ہیں، وہ بڑی آپا اپنے کمرے میں لے جاتی ہیں، چرے پر تھوٹے کے لیے انہیں نیانا خبط سوار ہوا ہے، چرے کی سلوچیں دوڑ کرنا کام، ہونے اب اس عمر میں چلی ہیں، حسن میں نکھار پیدا ہے۔“ سامنے مہ لقا کو دیکھ کر اس کی زبان ذرا لکھڑائی پھر ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتی فنڈر سنبھال پہلو بچائی نکلنے لگی لیکن مہ لقا نے راستہ روک ریا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟ کس مسئلے پر اتنی زورو شور سے بجھ ہو رہی ہے اور کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ مجھے کس مسئلے میں لھینا جا رہا ہے؟“

”آپا! میں تو صرف اپنے کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ یہ آگئیں تو ان سے پوچھ بیٹھی، بس اتنی غلطی ہوئی مجھ سے میرے ساتھ ساتھ آپ کو بھی گھسیٹ لیا۔“

”مہ پارہ! تم اسی طرح کی باتیں بھی کر سکتی ہو۔ میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ مہ ناز تم سے کتنی پھولی ہے۔“

تمہیں اس کا اس حالت میں خیال رکھنا چاہیے اور تم اس کا کھانا پینا گن رہی ہو۔ میں نے تمہارے آن دنوں کیسے کیسے لاڈ اٹھائے ہیں، نوالے بنانا کے منہ میں ڈالے ہیں اور تم اور تو اور میرے بارے میں اپنی بڑی بس کے بارے میں ایسی بات تم نے کیسے کہہ دی۔ مجھے میں اتنا تنفر، انداز میں اتنی تحقیر میرے لیکے۔“ وہ غم سے چور چور لجھے میں سوال کر رہی تھیں۔

”میرے ساتھ جو جیسا کرے گا میں ویسا ہی پیش آؤں گی۔ جب تک آپ نے لاڈ اٹھائے، میں نے بھی جی حضوری کی۔ جب تک مہ جبیں سیدھی رہی“ میں بھی چپ ہمی۔ لیکن وہ منہ بھر کے میرے بچوں کو جن کہہ دے، ان کی خوراک کو نوکے تو کیا میں چپ رہوں۔ اپنے باپ کا کھاتے ہیں۔ کسی سے تو نہیں لیتے۔“

”ہونہ، اپنے باپ کا؟“ اس غلط فہمی سے نکل آئے۔ سب جانتے ہیں وہ اپنے باپ کا کتنا کھاتے ہیں اور دوسروں کے باپ کا کتنا۔“ مہ جبیں نے فوراً“ حساب برابر کر دیا۔ ”بھتی لقمان بھیا کی آہنی ہے اگر وہ محض اپنے مل بوتے پہ اولادیتے تو آپ بھی باخ خانج پیچے پیدا اکرنے کی ہمت نہ کرتیں۔ لیکن جب بغیر پچھ کیے ساری سوتیں مل جائیں تو یونہی اولاد کے دھیر لگائے جاتے ہیں۔“

”چپ رہو تم مہ جبیں۔“ مہ لقا کو اس کی زبان سے خوف تھیوس ہوا۔

”بولنے دیں آپا! اسے بولنے دیں۔ پتا تو طے کہ آخر اس کے اندر کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔ آپ بھی دیکھیں یہیں، کیسے اس کا احساس محرومی یا ہر ایں رہا ہے۔ خود کے تو اولاد نہیں ہے، دوسروں کی بھی چھوڑ رہی ہے۔“

”آپا! اس نے دوسرا بار بچھے یہ طعنہ دیا ہے پوچھیے اس سے یہ میری سکی بس ہے یاد میں۔ اس کا دل نہیں کا نپتا بچھے بے اولادی کا طعنہ دیتے ہوئے۔“

”اور تو خالہ ہے یا ڈائیں۔ تیرا کلچر نہیں پہنچتا، میں

آپ اپنے سے آگے کسی کو بڑھتا دیکھیں ہی نہیں سکتیں۔ "خصوصاً مجھ سے زیادہ اہمیت تو آپ اس چھوٹی کو دیتی ہیں۔ اسے بھی گز سکھانے نہیں ہیں لوگوں کو مجھی میں کرنے کے۔"

مہ ناز جومہ جبیں کو رو تاوہوتا سیرھیاں چڑھتے رکیے کریماں چلی آئیں، فوراً "لیست میں آگئی۔ ہکابکا و دنوں بڑی بہنوں کے چہرے دیکھنے لگی۔ ایک کا چہرو صدمے سے زرد پڑ چکا تھا تو دوسری کاغذے کی پیش سے بھبھو کا ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا بڑی آپسے بجا! کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ سر جھکتے ہوئے واپس مڑنے لگیں۔ "دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔"

"ہاں ہاں جو کچھ باتیں کرے اس کا دماغ خراب اور جو لگھنا میسا ہو کر بیٹھ جائے وہ اچھا۔ جیسے یہ اور اس کا میا۔" مہ ناز کے ساتھ ساتھ اب اس کے شوہر جبران کو بھی گھیٹ لیا گیا۔

"کیا جبران نے کچھ کیا ہے؟" وہ رک کر پوچھنے لگی۔ "کسی نے کچھ نہیں کیا، میں نے کہاں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے تم کچھ درا اور یہاں رکوگی تو تمہارے بھی پرچے اڑا دے گی۔ چلو نکلو یہاں سے پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

♥ ♥ ♥

"نمکن یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔ خواجه ہاؤس میں اتناس ب ہو گیا۔ کیسے؟ اتنی لمبی زبانیں میری بہوؤں کی۔"

خواجه صاحب بے یقینی کے سے عالم میں بیٹھے افسوس سے سر لاتے رہے بیگم سے ساری باتیں سن کر بھی وہ یہ حقیقت ہضم نہ کریا رہے تھے۔ جب مہ پارہ کاریا بے اولادی کا طعنہ یاد آتا تو جیسے کچھ ملا جاتا۔

"ہائے کیسا برالگا ہو گامہ جبیں کو بیماری کے دل پر کیا نہ گزی ہو گی۔"

اور جب اس کی دی بددھا یاد آتی تو وہی مہ جبیں مظلوم سے ظالم بن جاتی۔

کی اولاد کو کوستے۔ ہم تو یہی سنتے آئے ہیں کہ خالہ ماں جیسی ہوتی ہے اسی لیے تو اسے ماں کہا جاتا ہے لیکن تم نے یہ غلط کر دکھایا۔ ہاں ظاہر ہے جو ماں ہی نہیں وہ ماں ہی ہے ہو سکتی ہے۔ تمہارا دل متباہ سے خالی ہے، اس لیے خدا نے تمہاری گود بھی سولی بھی رکھی ہے۔" "مہ پارہ! خدا کا واسطہ ہے اپنی زبان کو لگام دو۔" مہ لقا نے مہ جبیں کے چہرے کو پہلے سفید پھر سرخ پڑتے دیکھا تو اس کی مشتی کیس۔

"آج مت رو کیں اسے آپا! بست زعم ہے اسے اسے ماں ہونے پر۔ میری بے اولادی اس کی نظر میں خدا کی طرف سے دی گئی کوئی سزا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتی۔ بھی بھی اولاد بھی عذاب اور سزا کی طرح ہی نازل ہوتی ہے۔ پھنکاری ہوئی وہ تیر کی طرح پکن سے نکل گئی اور مہ پارہ فیڈر پھینک کر سینہ پٹنے لگی۔ "ہائے ہائے کوکہ جلی بددھا دے کر لئی ہے مجھے مجھے۔ اپنی ماں جائی کو۔"

"تم نے کون سا بہنوں والا حق ادا کیا ہے غصے میں ہی سکی، اس نے سخت نارا حرکت کی ہے لیکن اگر وہ اپنے زہن اور زبان سے اختیار کھو جائی ہے تو اسے اس حد تک لا نے والی بھی تم ہی ہو۔"

"آپ کیوں میرا ساتھ دینے لگیں۔ آپ کو تو یہ مشہ سے میرا وجود ہٹلتا ہے۔ یہ سب مصیبتیں شروع ہی آپ کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ نہ آپ اچھا جھلا چلتا گھر کا نظام تبدیل کرتیں نہ ہی کام کے بوجھ اور دباؤ سے میرا دماغ خراب ہوتا۔"

"واہ بہت خوبی۔ اتنا عرصہ میں تن تھنایہ بوجھ اور دباؤ اپنے شانوں پر لیے رہی۔ میرا تو نہ دماغ خراب ہوا نہ میں نے کوئی فساد برپا کیا۔"

"آپ کو شوق جوے لیڈری کرنے کا۔ آپ تو خوش تھیں بس بن کر۔ لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں بن ہے۔ جان کھیلنے کے بعد بھی میں بس تو نہیں بن جاؤں گی وہ تو آپ ہی رہیں گی۔ جب نمبروں پوزیشن پر آپ نے ہی رہتا ہے تو مجھے محنت کرنے کا کیا فائدہ۔ میں تو بابک کے گھر بھی نمبر دو نہیں اور یہاں بھی نمبر دو۔

پھر بھی الی! میری دعا ہے آپ کا یہ بھرم بھی نہ ٹوٹے
اپنی اولاد پہ آپ کا یہ اعتماد یونہی قائم رہے۔“

♥ ♥ ♥

”میں کوئی بسی چوری تمہید باندھوں گا نہ ہی
وضاحت طلب کروں گا مجع وائلے واقعے کی۔ میں
صرف وارنگ دے رہا ہوں کہ آئندہ اس جمیت کے
نیچے ایسا کوئی تماشا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔“

باری باری تمام بیٹوں اور بیووں کے تھے ہوئے
چڑوں کی طرف کڑی نظریوں سے دیکھتے ہوئے الی نے
خت ترین انداز میں وارنگ دی۔

”یہ کیا بات ہوئی الی! اگر میں اتنی بڑی بات ہو گئی
اور آپ بھائے قصور و ارکو تنبیہ کرنے کے سب کو
ایک ہی لاثمی سے ہانک رہے ہیں۔ وضاحت کیوں
نہیں طلب کریں گے آپ۔ آپ کو ضرور وضاحت
طلب کرنی چاہیے، سارا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو
جانا چاہیے۔ پتا چلتا چلتا چاہیے کہ تماشا کس نے شروع کیا
اور کیوں کیا؟“ عمران بھیا تو الی کی ڈانٹ ڈپٹ ذرا پسند
نہ آئی۔ وہ تو اپنے طور پر بیوی کی وکالت کرنے آئے
تھے اور انہوں نے مقدمہ کی ساعت کے بغیر ہی فیصلہ
سنا دیا۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ الی! اچھا ہوا یہ
مطابق خود انہوں نے کیا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ
قصور و ارکو سزا ملے بجائے اس کے کہ سب ہی کو ایک
لائن میں کھڑا کر کے لغت ملامت کی جائے“ لقمان
بھیا بھی پورے پورے بیوی کے سکھائے ہوئے لگ
رہے تھے۔

”میں سب سن چکا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں۔
کون کتنا قصور و ار ہے۔ تم سب کو ایک ہی لائن سے
ہانکنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی کسی سے کم
نہیں۔ لا توں کے بہوت ہو تم سب۔ جب تک
میرے ہاتھ تھاری گردنوں تک تھے، سب تیر کی طرح
سیدھے تھے۔ اب تمہارے اپنے بچوں نے قد نکالنے
شروع کیے تو میں نے ڈھیل دے دی لیکن میری نری
کا نتیجہ یہ ہلاکا کہ تم نے گھر کو میدان بنگا بنادا۔“

”اتنی پتھر دل کیسے ہو سکتی ہے وہ کہ اپنی ہی بہن کو
اولاد کی بد دعا دے ڈالی۔“

اتنے میں مہ ناز چائے کی ٹرے لیے چلی آئی۔ ساتھ
ہی مہران بھی اندر داخل ہوا۔ خواجہ صاحب سے پچھے
پہلے وہ چھوٹی بھا بھی سے ساری رو سیداد جان چکا تھا۔
”وہ نہیں آئس ہے؟“ خواجہ صاحب نے صرف نظر
امتحا کے دیکھا تھا لیکن شفیقہ خاتون نے سوال کر دیا۔
”دونہوں۔“ اس نے نفی میں سرہلا پا۔

”بڑی آپا تو اس وقت سے روئے چلی جا رہی ہیں۔
مہ جیسی کے پاس سمجھانے کی تو اثاب مجھ پر بکڑگئی کہ میں
اسے غلط سمجھ رہی ہوں اور دوسروں کی حمایت کر رہی
ہوں حالانکہ میرا تو سی خال ہے جتنی علطی اس کی ہے
اتنی ہی بھیا کی بھی لیکن علطی تو سر حال دونوں کی ہے۔
دونوں میں سے کوئی دوسرے کو اس بد مزگی کا زمہ دار
ٹھہرا کر خود بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ بھیا نے تو خیر میری
شکل تک دیکھنے سے انکار کر دیا۔ ان کے خیال میں تو
میں بڑی آپا کی چیخی ہوں۔“

”ویکھتا ہوں، کب تک کمرے میں بند رہتی ہیں۔
کہہ دو سب سے رات میرے کمرے میں حاضر ہوں
اپنے اپنے شوہروں سمیت۔ سب کے دہانگ درست
ہونے والے ہیں۔ گھر کو محاذ بنتگ سمجھ رکھتا ہے۔
اپنے اپنے سورج سنبھالے بیٹھتی ہیں۔ آج رات
میں یہ قصہ ختم کر کے رہوں گا۔“

عم کی وقتی کیفیت سے نکلتے ہی خواجہ صادب نے
اپنی اذلی وہشت پھیلاتے ہوئے ہنگامی میٹنگ کا اعلان
کیا۔ ان کا خیال تھا ان کے ذرا اگھر کنے کی دری ہے سب
سیدھے ہو جائیں گے۔ جیسے فرقان کے کس بل
درست کیے تھے ویسے، ہی مہ پارہ اور مہ جیسی کی طبیعت
بھی صاف ہو جائے گی۔ آئندہ الیکسی محاذ آرائیاں کرنے
کی جرات نہ کر پائیں گی۔ یہ چیلنج پورے اعتماد کے
ساتھ ان کے چرے پر روشن تھا جسے پڑھ کر مہران نے
چنکیتے دعا کی۔

”اگرچہ میں آپ کے اس اصول کے خلاف ہوں
کہ ڈنڈے کے زور پر سب کو اپنی مرضی پر چلا یا جائے“

حاکمانہ فطرت کی تسلیم کے لیے جب تک آپ کا
مل چاہا آپ نے من مالی کی جب اور لوپ نور چلا چلا
کر دل بھر گیا تو اپنے شوہر کی خبری مجھے اس حال تک
پہنچا نے والی آپ ہی ہیں۔ آپ نے مجھے واپس کرنا
مشتعل کر دیا کہ اب مجھے میں برداشت کامادہ بالکل نہیں
رہا۔“

”واہ یہ اچھا جواز پیش کیا آپ نے اپنی زیادتیوں کا۔
برداشت کامادہ تو آپ میں پیدا اُتھی طور پر مفقود تھا۔“ مہ
جیں نے حملہ کیا۔

”اگر جانتی ہو تو پھر بار بار آزماتی کیوں ہو۔“ تک کر
جواب دیا گیا۔

”ویکھ لیا ایں! آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے تماشا کس
نے شروع کیا۔“ عمران نے دنوں ہاتھ کھڑے کر کے
فیصلہ طلب کیا۔

”عمران! تم جانتے نہیں تمہاری بیوی نے اپنی بیٹی
کو کتنی سخت بددعا دی ہے، تمہارے بھتیجوں کے
حوالے سے۔“ لقمان نے غیرت دلانے کی کوشش
کی۔

”اور آپ بھی شاید انجان ہیں کہ آپ کی بیگم نے
اپنی بھتوں بیٹی کو ”کوکھ جلی“ کہہ کر بانجھ ہونے کا طعنہ
دیا۔“

”بس! ای کھڑے ہو گئے۔“ میں نے جھگڑا ختم
کرنے بلوایا ہے نہ کہ مزید برهانے کو غضب خدا کا
تمہیں اب مال اور باپ تک کا لحاظ نہیں رہا۔ ختم کرو
اس بے ہودہ قصے کو۔“

”ختم کرنے ہی تو آئے ہیں ای۔“ عمران نے
مضبوط لہجے میں کہا۔ اب تک چپ چاپ سب سنتے
مہران نے چونک کرہائی کے چرے پہ پچھہ کھوجا اور جو
اسے ملا اس نے اسے اندر تک پہلا دیا۔ وہ دل گیا تھا اسی
کے اعتقاد کو دھندا تا دیکھ کر۔

”بچھلے دو سال سے میں مسلسل کو ششیں کر رہا تھا
کہ کسی طرح اپنا لکینک سیٹ کر لوں۔ دو دو جگہ جا ب
کرنے کے بجائے صبح کو ہاسہنل پر یکش کرتا اور شام کو
اپنے لکینک۔ بہترین طریقہ تو یہ ہی تھا کہ رہائش گاہ

”لا خول ولا سے الی تو ایسے بات کر رہے ہیں جیسے ہم
لوگ میڑک میں براز لٹلانے کے بعد ان کے آگے
سر جھکائے جیٹھے ہیں۔“ عمران بھیا بڑی طبقے
”اوہ کیا؟ بات عورتوں کے درمیان ہوئی ہے اور
آپ ہمیں ڈرا و ڈھکا رہے ہیں۔ ہم نے بھلا کیا کیا
ہے؟“ جبراں کو بھی یہ ہیڈ ماشروں والی زبان پسند نہ
الی۔

”تم لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اپنی عورتوں پر کنشوں
رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ بات مجھے تک پہنچنی ہی نہیں
چاہے تھی، مسکنہ تو تم لوگوں کو خود حل کرنا چاہیے
تھا۔ بلکہ میں تو تکتا ہوں تمہاری بیویوں کے یوں روبدہ
لڑنے کی نیست ہی نہیں آتا چاہے تھی۔ میرا خیال تھا
کہ خون کے رشتے پچھے لیاڑ کر لیں گے لیکن یہ تو
دیوارانی چینچھال بننے ہی بس کا رشتہ بھول سیں
اوس۔ اور تم لوگوں سے تمہیں کیا ہوا۔ تمہارے
رشتے کو بھی کیا دوسرا کوئی نام مل گیا ہے؟“

”الی! عمران حنیک کہہ رہا ہے۔ آپ کو سب
کاموقف سنتا چاہیے۔ کیونکہ سب کاخون سفید نہیں
ہوا۔“ میں لقا جو بڑی پرے پرے پھیس ڈزدیدہ نگاہوں
سے مہپارہ اور مہجیں تو یہستہ ہوئے بولیں۔

”ہمارے رشتے کو نیا نام آج سے نہیں ملا۔“ اپنی
بات جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ”کئی سال ہو
گئے ہیں اس نئے رشتے میں بندھے ہوئے کیا آپ کو
پسلے کوئی شکایت ہوئی۔ اگر آج آپ کو شکایت ہے تو
پسلے ہماری بھی تو نہیں۔ وہ وجہ تو جان لسمیے جس نے
تمہیں ایک دسرے کے مقابل لا کھڑا کیا۔ پھر شاید آپ
کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ کون فصوردار ہے کون
نہیں۔ کیونکہ کم از کم میں تو یہ الزام اپنے سر نہیں لے
سکتی۔ اتنے سالوں تک میں نے کیا نہیں کیا اس کھر کی
خوبی کے لیے اور آج۔ آج میرے ساتھ زیادتی
ہوئی ہے تو۔“ ان کی آواز بھرا گئی تو مہپارہ کو کرنے کا
موقع ملا۔

”ہاں ہاں۔ آپ نے کیا نہیں کیا۔ لیکن اس گھر
کی خوبی کے لیے نہیں محض اپنی خوبی کے لیے اپنی

میں جلد از جلد کوئی بغلہ دیکھ کر وہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ کم از کم میرے اور مہ جبیں کے وجود سے کسی کو کوفت ہوئی ہے تو وہ اب وور ہو جائے گی۔ ”وہ اپنا فیصلہ سن کر چلتے ہے، مہ جبیں مزید کسی سوال جواب سے بچنے کی خاطر شوہر کے پیچھے ہی ہوئی۔ الی اور ای کی طرح فرقان اور بڑی بھا بھی کے لیے بھی ان کا یہ فیصلہ حیران کن تھا۔ وہ توہا کا بکار دنوں کو دیکھتے رہے۔ مہ پارہ بھا بھی نے لقمان بھا کو شوکاریا۔ وہ لکھنکھارے۔

”یہ اچھی بات ہے کہ نکلنا خود سے اور الزام دو سروں کے سرڈال دیا۔ ہمیں بھلا کیا تکلیف کسی کی ذات سے اور دیدہ ولیری کی ہو، ہم پہ الزام لگایا جا رہا ہے عزت نفس کھلنے کا۔ اس سے پوچھنا تو تھا کہ میری کم آمدن کا طعنہ کس نے دیا تھا اور میرے بچوں کا دوسروں کی کمائی پہ پیشے کا دعو اس کا تھا۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میں تو خوش تھا کہ بھائی بھائی کو ڈھانپ رہا ہے۔ مل کر کھا رہے ہیں چاہے چٹکی سے کھائیں چاہے مرغی سے لیکن پتا ہمیں تھا کہ اس طرح کا طعنہ سننے کو ملے گا۔ عزت نفس اس اکیلے کی نہیں، میری بھی ہے۔ ذیل ہو کر میں بھی نہیں رہ سکتا۔ یہ چلا گیا ہے تو کپا ہوا۔ کل کو ان میں سے دوسرا اٹھ کر اپنے پیسے کی دھوپس جمائے گا۔ بھائی ہماری اتنی پسلی تو نہیں کہ ان کی طرح بنگلے خریدتے پھریں پھر بھی یہی سوچا ہے کہ اتنی بحث الگ کر لیں۔ عزت سے گزارا ہو گا۔ پیچے کسی احسان کے بغیر کوئی بد دعا لیے بنا زندگی گزار لیں گے۔“

این بات مکمل کر کے انہوں نے ڈرتے ڈرتے الی کی طرف رکھتا۔ وہ سرنیہو اڑے کسی گھری سوچ میں گم تھے۔ ای منہ میں دوبہہ دیائے سکیاں لے رہی تھیں۔ مہ پارہ بھا بھی نے آنکھ کے اشارے کے ذریعے انہیں وہاں سے غائب ہونے کے لیے کہا۔ مبارہ وہ کسی اموشفل بلیک میلنگ کا شکار نہ ہو جائیں۔ ”بس کرو شفیقیت کیا سارے آنسو ابھی بھالو گی۔“ الی نے ان کے جانے کے بعد سرد آہ بھر کے شریک حیات کو ٹوکا۔ بتوابا ”ان کے روئے میں اور

کے ساتھ ہی کلینک کھول لیا جاتا تھا کہ آنے جانے میں زیادہ مشکل نہ ہو لیکن ہمارا اگھر جس علاقے میں ہے وہاں اتنے بڑے اسکیل پے کلینک نہیں بنایا جا سکتا۔ میرا ارادہ کلینک کے اوپر رہائش گاہ تعمیر کرنے کا تھا لیکن مہ جبیں نہیں مانی۔ وہ یہ سلسہ چھیڑ کر گھر میں کسی قسم کی کوئی بد منزگی پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی میں بھی چیز ہو گیا۔ جانتا تھا آپ کتنے پچی ہیں اس بارے میں۔ لیکن کیا ملا، ہم دنوں کو اس چیز کے بدلے میں۔ ہلکا ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی اور آپ کوئی سد باب کرنے کے بجائے لاتوں کے بھوت والی دھمکی دے کر ڈرا رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک ہماری عزت نفس اور خواہشات کی کوئی قدر ہی نہیں۔ آپ کو صرف اپنے خواب مقدم ہیں۔ ”عمران!“ الی بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگتے۔

”تلرو،“ مرو بس ایک ساتھ رہو۔ یہ ہے آپ کا فلسفہ۔ ”ان کے ذہن میں کچھ عرصہ پہلے عمران کا کہا نقرہ گو نجاہ۔“ ”تو تم کیا چاہتے ہو؟“ ان کے انداز میں حد درجہ تسلیکی تھی۔

”آزادی۔“ وہ پینٹ کی جیبوں میں باقی تھوڑیں کے کھڑے ہو گئے سب سے نے ان کی طرف چونکے کے دیکھا۔ لقمان اور مہ پارہ پٹیاں کے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر نجاہ نے کیا سوچ کر مہ پارہ پیلیکس کی ہوئی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں شوہر کو تسلی دی۔

”آزادی۔؟ کیا میں نے تمیں قید کر رکھا ہے؟“ بولو۔“ نجاہ نے الی کا سارا اکروفر کہاں چلا گیا تھا۔

”آپ نے ہمیں اپنے خواب میں جائز رکھا ہے، کس رکھا ہے جب تک حالات نے احاظت دی،“ ہم نے مقدور بھر آپ کے جذبات کا احترام کیا لیکن اب حالات اختیار سے باہر ہو رہے ہیں۔ خود اپنی نظر وہ سے گر کر اپنے ہی بہن بھائیوں کے ہاتھوں ذیل ہو کر جینا بھی کوئی جینا ہے۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ ویسے تو میں کلینک کے لیے پلات دیکھ ہی رہا تھا لیکن اب اتنا وقت نہیں ہے کہ تعمیر کے بھیجھٹ میں پڑا جائے۔

اور لقمان بھیا جو عزت اور خودداری کا راگ الائچے
گئے ہیں، درحقیقت پارٹر شپ سے الیکٹرونکس تک
کار و بار شروع کرنے والے ہیں۔ وہ اور ان کی یونیورسیٹ
شروع سے ہی مل بیٹھ کے رہنے کے حامی نہیں۔ وہ تو
مالي حالات اجازت نہیں دیتے تھے اس لیے چپ
چاپ اتنے سال گزار دیے۔ اب جو معاشی حالت
سدھرنے کے امکان پیدا ہوئے تو جست اپنا تمکانا الگ
کرنے کی سوچی۔

”اپنا کار و بار شروع کرنے والا ہے؟ کمال ہے اتنی
بڑی بات اور میں بے خبر رہا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں
تم لوگ بھی اب اچانک کوئی وچھکا دینے کے بجائے
ابھی فیصلہ کرو، کب اور کس دن رخصت ہونا ہے۔“
انہوں نے مل پھر کر لیا۔

”الی۔ آپ۔ آپ میں نکال رہے ہیں گھر
سے؟“ مہ ناز قریب چلی آئی۔ اس کی پلکوں پر ستارے
فنگے تھے۔ وہ اپنی سب سے چیتی بھوکے آٹونہ دیکھے
پائے، منہ پھیر کے کھنے لگئے۔

”میں کون ہوتا ہوں کسی کون کلنے والا وہ سب بھی
تو خود اپنا فیصلہ نا گئے۔ تمیں تو میں اجازت دے رہا
ہوں۔ ہاں اگر اس گھر میں رہنا زیادہ پسند ہے تو ٹھیک
ہے۔ میں ہی کہیں اپنا بندوبست کرلوں گا۔“

”الی۔ الی پیز۔“ وہ سکنے لگی۔ ”میں خود
سے الگ مت سمجھیے۔ ان کی سرکشی کی سزا، میں
مت دیں۔ وہ جانا چاہتے تھے، چلے گئے، کم از کم میں
اس گھر کو، آپ کو اور امی کو چھوڑنے کا تصور بھی میں
کر سکتی۔“

”اور میں بھی نہیں۔“ مہ لقا بھی اٹھ کے قریب
چلی آئیں۔ ”اگر مہ ناز کو میری حاکیت پر اعتراض نہ
ہوتا۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بڑی آپ۔ آپ میری
ماں کی جگہ ہیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کو عزت دی ہے
ماں دیا ہے اور انہا اللہ دیتی رہوں گی۔“ دونوں بہنیں
خواجہ صاحب کے گھنٹوں پر ہاتھ دھرے ایک
دوسرے کے گھلے لگ گئیں۔ فرقان بھیا اور جبراں

شدت آگئی۔

”ابھی بڑے موقع آئیں گے۔ شوق سے روتی
رہتا۔ ہاں بھی بڑے صاحبزادے! آپ نے بھی کوئی
 محل دیکھ رکھا ہے یا میں آپ کی مدد کروں اور جبراں، تم
بھی جلد ہی اپنا بندوبست کراؤ، شاید آج کل مکان
کوڑیوں کے مول بکر ہے ہیں، تب ہی ہر کوئی اپنا اپنا
لینے بھاگ رہا ہے۔ جاؤ میاں! تم کیوں تیجھے رہوں۔
اور میراں تم۔ خیر تمہیں کیا کہوں۔“ میں تو
بچھے کھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے اپنے
نظریات بھی تو یہی ہیں۔ تم تو کھلتم کھلا میرے خواب کا
مناق اڑا چکے ہو۔ اس دن تھے مجھے غصہ آیا تھا۔ شدید
غصہ۔ لیکن اب سوچتا ہوں۔ تم ٹھیک کہتے تھے
شاید میں ہی غلط تھا۔ شاید میری خواہش ہی ناجائز
تھی۔ ”ہمیشہ کر بنے بر سنبھالے خواجہ خلیق الرحمن
کا لجھ نہایت مدھم تھا اور الفاظ بھرے ہوئے۔ میراں
تریپ اٹھا۔ فوراً ”اینی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں
میں بیٹھ گیا اور یا تھام کر کھنے لگا۔

”میں نے بھی آپ کے خوابوں کا مناق نہیں اڑایا
الی۔ اس وقت اگر میں نے بچھے النا سیدھا کہا بھی تھا تو
وہی جسنجھلا ہست کے زیر اثر میں صرف آپ کی
شدت پسندی کے نہایت تھا۔“

”میں اب بھی بچھے نہیں پار ہایہ سب ہوا کیسے؟ اگر
واقعی میرا اقدام غلط تھا تو اس کے برے نیا نجات آتی دیر
سے کیوں ظاہر ہوئے۔ آخر اتنا عرصہ یہ گھر میری
حسب خواہش ہی تو چلتا رہا ہے۔“

”وہ اس لیے کہ تب تک آپ کی خواہش ان کی
خواہش سے نکراتی نہیں تھی۔ سب اپنی اپنی غرض
کے بندے ہیں۔ جس کو ساتھ رہتا ہو وہ بغیر کسی غرض
کے بغیر کسی مفاد کے بھی رہ لیتا ہے، اگر کسی کا ساتھ
منظور ہو تو اس کی سوزیا دیاں بھی سہہ لی جاتی ہیں
لیکن جن کے دلوں میں گنجائش نہ ہو انہیں ہزار
کوششوں کے بعد بھی اکٹھا نہیں رکھا جا سکتا۔ عمران
بھیا کی ترقی کی راہ میں یہ گھر اور اس کا فرسودہ ماحول
رکاوٹ تھا یہ ہمکہ اس رکاوٹ کے دور کرنے کا جواز رہا

عید الفطر کی یہ صبح ہنگامیہ خیز تھی۔ امی جان الماری سے نئے پیدا کو نکال رہی تھیں۔ بڑی بھا بھی ڈرائیکٹ روم میں یہ کسی دھلے ہوئے پروے مانگ رہی تھیں، یہاں کی تفصیلی صفائی وہ کل، ہی کرچکی تھیں جس کا اندازہ چم چم کر لی چیزوں کو دیکھ کر کے ہی ہورہا تھا۔ نہ اور آمنہ اپنے اپنے ہاتھوں پہ لگی ہندی کے رنگ کا مقابلہ کر رہی تھیں جو کل رات، ہی چھوٹی پیچی نے بڑی محنت سے سچی منی ہتھیلیوں پہ لگائی تھی۔ انہیں مہ لقا بھا بھی کی طرف سے بار بار جلد تیار ہونے کی پریاًیت مل رہی تھی۔ مہ ناز بھا بھی جو ہمیشہ ہی اس موقع پر سب سے سحر کر ہوا کرتی تھیں، اب ریس ریس کرتے بیلو اور چیزوں چیزوں کرتی ٹوٹی میں الجھی ہوئی تھیں۔ تین سالہ بیلو سچی بہن کو ماں پر قبضہ جمائے دیکھ کر احتجا جا۔ بلکہ انتہا تھا۔ معطر بچن میں شیر خرما سے بجے بیوریں پیالوں پر بادام اور پستہ کی ہوا یاں چھڑک رہی تھی جب تھفیقہ خاتون اندر داخل ہوئیں۔

”بھٹی! تمہاری پہلی عید ہے۔ سرال میں اور تم کچن کی ہو کر بیٹھ گئی ہو۔ چلو شاباش جلدی سے نہاد ہو کر تیار ہو جاؤ۔ تمہارے الی نماز پڑھ کے آنے والے ہی ہوں گے، اس طرح دیکھ کے خفا ہوں گے۔ چلو چھوڑو سارے کام۔ خیر سے تمہارے بھا بھیاں ہیں ہیں۔“ وہ پہلے بھی ایک بار اسے تیار ہونے کا کہہ کر گئی تھیں۔ اب اسے وہیں بر احمدان ویکھا تو ذرا سختی سے پیش کر بولیں۔

”بس امی! یہ رہ گیا ہے۔ مہ ناز بھا بھی نے ہی بنایا ہے شیر خرما، پچ سورے ہے تھے تو انہیں بھی موقع مل گیا، صبح سوریے ہی شروع ہو گئیں، اب رو دھپلانے کیں تو میں نے سوچا، کم راز کم ٹھنڈا کر کے پیالوں میں ہی نکال لوں، نماز پڑھ کے آنے والے ہوں گے سب۔“ اس نے حسب عادت دو پیٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کیا۔

”اف تو بہ یہ پچیاں تھی بس سے کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں کہ تیار ہو جاؤ تیار ہو جاؤ۔ کان پہ جوں، ہی نہیں رینگتی۔ اب زیر دستی ہاتھ روم میں دھکیل کے آئی ہوں۔ سوچا ان کے نہانے تک بچن کی خبر لوں۔“ مہ

ایک ہو سرے کو دیکھ کر کھل کر مسکراتے ہے۔ ”یہ سب تمہاری جذباتیت ہے۔ خیر میں زردستی کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ پہلے ہی مجھے زیادتیاں کرنے کا الزام ہے۔ تمہاری مرضی۔ رکھتا ہوں یہ بھائی چارہ اور لتنے دن قائم رہتا ہے۔ مجھے توبہ کسی سے کوئی امید نہیں۔“

”امید ہمیشہ زندہ رکھنی چاہیے ال۔“ مہران نے تسلی دیتا چاہی۔

”تم تو خیر بھٹے سے کام کریں نہ کرو۔ یہ تو سگی بہنیں تھیں۔ تمہاری بیوی جو کچھ کرنے والی ہے، وہ میں ابھی سے دیکھ سکتا ہوں۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ ذوق سے نیچے اس گھر کی دلخیزی پاوس بھی اصرے کی اس لیے یہ لئے چوڑے دعوے رہنے دو۔“ کھوکھلی تی ہمسی کے ساتھ انہوں نے ہاتھ انھا کے اسے مزید روشنے دینے سے باز کیا۔

”یہ دعوے نہیں ال، میرا غور ہے کہ آپ کے چہرے پر اعتبار کی ویسی جگہ جگہ اسے کر رہوں گا۔“ اس نے دل اسی مل میں ارادہ کیا۔ اگر وہ معظر کی نظرت سے اس طرح آکھوند ہو جائے ہو تو یہ دعوہ اکرنے سے واقعی باز رہتا یا نکلے کسی کی جسی مرضی اور نظرت کے بغیر اس کا تعامل حاصل لرنا اس کے نزدیک جبر تھا اور وہ جبر کے ذریعے بیوی سے قریباً مانگ کر بھرے سے وہ کمالی رہرا تا نہیں پہاڑتا تھا لیکن۔ مظہر اس کے اعتبار کے سماں ہی تو اس نے اتنا بڑا ارادہ کیا تھا۔

* * *

اور یہ چھ میٹے بعد کی بات ہے
صرف چھ میٹے۔

کہنے کو صرف چھ میٹے ہیں لیکن کیا کچھ نہیں بدلتا۔

خواجہ ہاؤس کے بست سے پرانے مکین یہاں سے جا پکھے ہیں۔ پچھئے مکینوں کا اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ تین ماہ قبل معطرہایوں، معطر خواجہ بن کر اس کے آنکن میں اتری توڑیڑھ ماہ پہلے ٹوٹی مہ ناز کی گود میں آئی۔

”خواجہ جی! ذرا رک جاتے میرا مطلب ہے، دوسری بھی آنے والی ہوں گی۔ ساری بھوؤں اور پوتے پوتیوں کو اکٹھے ہی عیدی دے دیتے۔“ شفیقۃ خاتون نے چکچا تے ہوئے انہیں ٹوکا۔ جواباً ”خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ شاید موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے خاموش رہ گئے۔

”واہ بڑی بھی عمر ہے بھی بھیا آپ کی۔ ابھی یاد ہی کر رہے تھے ہم لوگ۔“ جران دروازے سے ہی نظرے مارتا پورچ کی طرف لیکا۔ لقمان اور عمران کی گاڑیاں آگے پیچھے ہی اندر داخل ہوئیں۔

”آئینہ! میں نے کہا تھا ان کہ تم بھی میرے ساتھ پہاں رک جاؤ۔ اتنا مزا آیا چاند رات کو۔ اپنی مندی دیکھو زرا کیسے تھوپی ہوئی ہے اور یہ دیکھوئی پچھی نے کیسا پیارا دُریزان بنایا ہے۔“ آمنہ بہن کو چڑائے کھلی۔ کچھ دن پہلے مہ لقا بھائی امی جان کے ساتھ بچیوں کو

لقابھائی بھی اندر آگئیں۔ ”آپ بیٹھیں امی، ناشت بنائی ہوں آپ کا باقی کام تو بچیوں کو تیار کرنے کے بعد ہی ہو گا۔“

”میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں بھا بھی! وہ دونوں ندالیں تو دہیں بچھ دیجئے گا، میں تیار کروں گی۔ آپ وہ پر کے کھانے کا کام تیڈیں، بھیا لوگ آگئے تو اچھا نہیں لگے گا کہ گھروائے کچن میں گھٹے ہیں۔“

”ہاں ہاں۔ بس میں پلاو کے لیے گوشت کی یخنی رکھنے ہی والی ہوں۔ کتاب تورات کو بنالیے تھے۔

وقت کے وقت مل ہوں گی، را تفل بھی مہ نازنے تیار کر دی تھی۔ مال دہم کیا بنارہی بھیں رات کو مرغی کو سرکہ دغیرہ لگائے اس کا کیا کرتا ہے۔“

”رات بھر کے لیے میری نیٹ ہونے رکھ دی تھی۔ اب کوئی کام ہی نہیں۔ بس کھانے سے آرھ گھنٹہ پسلے اوون میں روٹ کر لوں گی۔“

”عید مبارک۔ عید مبارک۔“

باہر سے آتی آوازوں پر مطر سرپت بھاگ کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ ننانے کے بعد گیلے ہل یونٹی کلپ سے اکٹھے کر کے وہ کچن میں چل گئی تھی۔ عید کا لپاس سانے ہی پہنچ پہنچا تھا وہ انہا کے ذریں نک روم ٹھس گئی۔ جلدی جلدی لائٹ سامنک اپ کیا، منتش نشکن کسی حسین لمحے کی یادگار بنے ہنک رہے تھے۔ مہران کی طرف سے منہ دکھائی میں ملنے والا یہ تحفہ وہ کسی بھی وقت خود سے جدا نہیں کرتی تھی۔ گرین جارہٹ کے سوٹی پیچ ٹکر کے کنٹر اسٹ کے ساتھ فل ایسٹ اندڑی کا بڑا ساروپہ لیے وہ لاونچ میں آئی۔ آئی کو سلام کر کے ڈھیروں دعا میں اور پیار سمیٹا، فرقان بھیا اور جران بھیا کو بھی عید کا سلام کیا۔ ادھر اوھر نظریں دوڑا میں مہران کیسی نہیں تھا۔

”مہ لقا، آوبیٹی، مہ ناز کو بھی بلاو۔ اپنی اپنی عیدی لے لو۔“ خواجہ صاحب نے سب بھوؤں کو پکارتے ہوئے حسپ میں ہاتھ ڈالا۔

زیٰ دی کا مشہور پروگرام

کھانا خرماں

نیا ایڈیشن

سنچیو کپیور

خوبصورت تصاویر کے ساتھ

حسین و خوبصورت گیٹ اپ

قیمت صرف = 250 روپے۔

ملنے کا پتا:

مکتبہ عمران ڈا جسٹ

37 اردو بازار، کراچی

عید دینے لئی تو وہ تائی کے ساتھ ہی بھاول رہنے چلی آئی۔

”جاو نادر! پچھا کو بلاؤ۔ سب اکٹھے ہی ناشتہ کریں گے۔ لو بھلا بتا اوزرا پسلے فون کر کے بتا دیتے تم لوگ بغیر ناشتے کے نکل رہے ہو میں اہتمام ہی کر چھوڑتی۔“

شفیقہ خاتون کے ہاتھ پر پھول گئے۔ انہوں نے تو فیسر کے کھانے کا کھا تھا مہ لقا کو۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ ای۔ ہم کوئی سماں ہیں؟“ مہارہ کی شد میں ڈوبی آواز پہ خواجہ صاحب نے چونکہ غر معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ کہتی رہی۔

”نیک رات سے ہی اتنا ایکسا بند تھے، صبح ہوتے ہی جانے کا شور مچا ریا اس لیے ناشتہ رہنے دیا۔“

”اور ہمارا تولی ہی نہیں چاہا عید والے دن بھی اکیلے بیٹھ کے کچھ کھانے کو، اس لیے عمران نماز پڑھ کے آئے تو میں نے ساتھ ہی نکلنے کا کہہ دیا۔ آپ کیوں بڑی آیا کی ریڈ کوارہ ہی ہیں۔ مل جل کے کچھ لئکا پھلکا ناشتہ تیار کر لیتے ہیں۔“ مہ جیسی بھاگی نے مہ لقا کے پچھے بکھن جاتے ہوئے کہا۔

”جاو نادر! کفرے منہ کیا دیکھ رہے ہو، کہا ہے تاں پچھا کو بلاؤ۔ بھالی سے کوٹلوہ پوریاں اور نماری لے کر آئے۔ میرے بچے آئے ہیں۔“ خواجہ حلیق الرحمن کی خوشی سے سرشار آواز نے مہران کے کمرے تک سفر کیا۔ وہ طمانتی سے مسکرا دیا۔

”میں جاتی ہوں الی۔“ معطر ویسے ہی جانے کو بے چین تھی۔ موقع ملتے ہی کرے میں چلی آئی۔

”یہ آپ اندر ہی رکے کیوں بیٹھے ہیں۔“ اس نے آگے بڑھ کر دیز پردے ہٹانے چاہے تاکہ روشنی ہو لیکن عقب سے اس نے جھٹکے کے ساتھ اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگالیا۔

”بیال بھائی رکھ دی۔ میں بیال بھائی رکھ دی۔“

وہ شرارت سے ہولے ہولے گنگانایا اور وہ جھینپ

گئی۔ ”آپ یہ بات کبھی نہیں بھولیں گے ہے تاں۔“

”اج میری اک من لے تو۔“
”اج میری اک من لے تو۔“

اس کی آواز میں شرارت اور زیادہ ریختنے لگی تو معطر نے مصنوعی خلقی سے گھورا۔

”اچھا طریقہ ہے عید مبارک کہنے کا۔“

”ارے تمہیں سامنے پا کے تو میں سارے طریقے سلیقے بھول جاتا ہوں میرے میاں مٹھو۔ میں تو آج تک ڈھنگ سے تمہارا شکریہ تک ادا نہیں کریا۔“

تم نے مجھے الی کے سامنے سراٹھا کر جینے کے قابل کر دیا۔ میں سوچتا تھا کتنا مشکل ہے ان کا کھویا ہوا اختیار لوٹانا۔ لیکن تم نے کتنی آسانی سے یہ مرحلہ سر کر لیا اور الی بھی جان گئے، جنہیں ساتھ رہنا ہو، ان کے لیے بازو دوار کھوا اور جو جانا چاہے ان کے لیے دروازہ کھول دو۔ زبردستی کا ساتھ صرف بیزاری اور نفرت کو جنم دیتا ہے۔ دیکھ لیو، ہی بھا بھیاں جو ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہی تھیں، آج ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے

اکٹھی آئی ہیں۔ یہ تولوں کے سودے ہیں۔ اس میں زبردستی کیسی۔ ہو سکتا ہے الی کی طرح انہوں نے بھی کوئی خواب دیکھ رکھا ہو اپنے گھر کے لیے۔ الی یہ بات سمجھ گئے ہیں بلکہ وقت انہیں سمجھا گیا ہے، اسی لیے انہوں نے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب اچانک کچھ اور کھو دینے کا خوف ان کی آنکھوں سے دور جا چکا ہے۔ انہوں نے برسوں پرانے خواب کو تھیکنا چھوڑ دیا ہے۔“

”اوہ نہیں چھوڑ نہیں دیا۔ میں طنابیں اب ہمارے ہاتھوں میں تھمادی ہیں۔“ معطر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔